Over 175K Followers

14 TO 20 JULY, 2025

۱۴ تا ۲۰ جولائی ۲۰۲۵ ☆☆☆

صارفین سے سرکار تک

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم

کنزیومر واچ

ایڈیٹر: نشید آفاقی

CONSUMER WATCH KARACHI

Government of Pakistan office of the Press Registrar Islamabad Registration No.2793

شوگر انڈسٹری پر سیاسی اثرات
مافیا کے دباؤ کی بازگشت

پاکستان کا ڈیجیٹل معیشت کی جانب تاریخی قدم

جعلساز کے امریکی وزیر خارجہ بن کر اہم شخصیات سے رابطے

گولڈ ڈگرز محض ایک گیم یا خواتین کو بدنام کرنے کا نیا ہتھیار؟

بیوروکریٹس کے لیے مالی فوائد حاصل کرنے کا لامحدود راستہ کھول دیا گیا

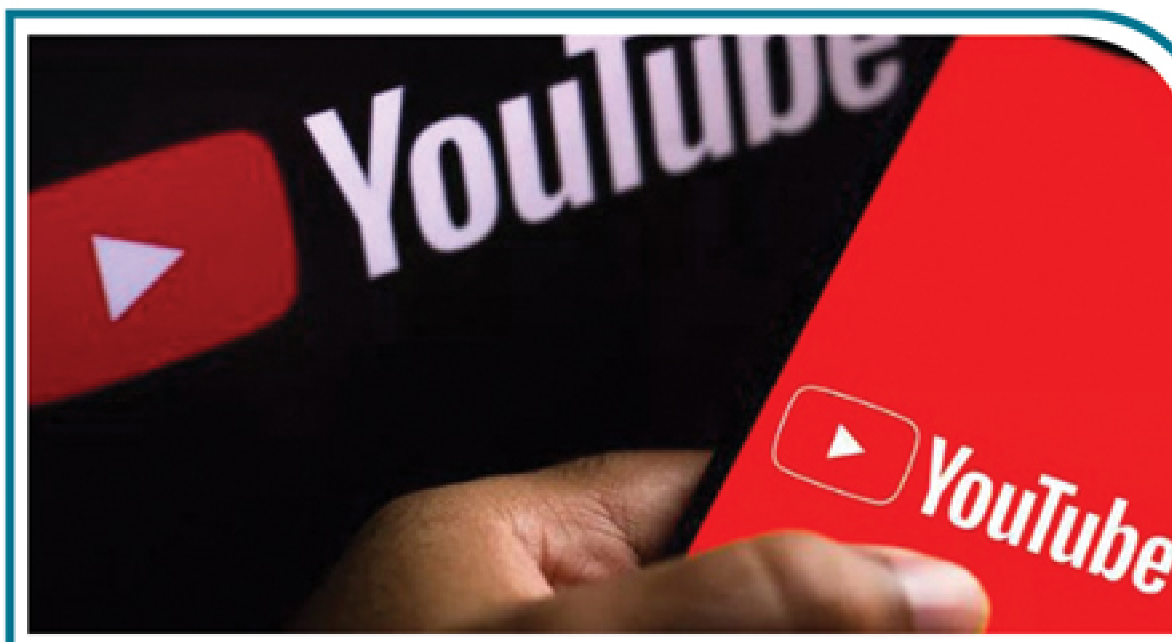

یوٹیوب سے پیسے کمانا اب مزید دشوار ہو جائے گا

ویڈیو شیئرنگ پلیٹ فارم یوٹیوب نے عندیہ دیا ہے کہ جلد ہی مونیٹائزیشن پالیسی کو اپڈیٹ کردیا جائے گا، جس کے تحت مواد تخلیق کاروں کو بہتر انداز میں پیسے کمانے کے مواقع میسر ہوں گے۔ یوٹیوب کے مطابق جولائی کے وسط تک نئی مونیٹائزیشن پالیسی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ شائع کردی جائے گی۔ اسی حوالے سے ٹیکنالوجی ویب سائٹ نے بتایا کہ یوٹیوب کی جانب سے نئی مونیٹائزیشن پالیسی میں آرٹیفیشل انٹیلی جنس (اے آئی) کی مدد سے تیار کیے جانے والے مواد سمیت بار بار پوسٹ کیے جانے والے مواد سے پیسے کمانے کو مشکل کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں نئی مونیٹائزیشن پالیسی میں کم معیار کے مواد سے بھی پیسے کمانے کو مشکل قرار دیا جاسکتا ہے۔ یوٹیوب کی جانب سے نئی پالیسی کے اعلان کے بعد صارفین کو شبہ ہے کہ پلیٹ فارم پر ری ایکشن ویڈیوز کو بھی مونیٹائزیشن پالیسی کا حصہ نہ بنائے جانے کا امکان ہے۔ اگر یوٹیوب کی جانب سے ری ایکشن ویڈیوز سے پیسے کمانے کو مشکل بنا دیا جاتا ہے تو کروڑوں اکاؤنٹس ہولڈرز کی جانب سے پیسے کمانا مشکل ہوجائے گا۔ تاہم یوٹیوب کے ایک اعلیٰ عہدیدار کے مطابق نئی پالیسی سے ری ایکشن ویڈیوز متاثر نہیں ہوں گی، البتہ اے آئی، غیر معیاری ویڈیوز اور بار بار پوسٹ کی جانے والی ویڈیوز متاثر ہوں گی۔

گوگل سرچ کے مقابلے پر براؤزر لانچ کرنے کا اعلان

گوگل سرچ کے مقابلے آرٹیفیشل انٹیلی جنس کی دو بڑی کمپنیاں اوپن اے آئی اور پرپلیکسیٹی مصنوعی ذہانت سے چلنے والے سرچ براوزر متعارف کرانے جا رہے ہیں۔ یورو نیوز کے مطابق بدھ کے روز پرپلیکسیٹی اے آئی نے اعلان کیا کہ کمپنی نے میک اور ونڈوز کے لیے کامیٹ نامی ایک آزاد سرچ انجن لانچ کیا ہے جس نے گوگل کروم یا ایپل کے سفاری جیسے روایتی براوزرز کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ فی الحال یہ سرچ انجن صرف ان لوگوں کے لیے دستیاب ہے، جنہوں نے پرپلیکسیٹی میکس کو سبسکرائب کیا ہوا ہے اور ان محدود افراد کو اس تک رسائی ہے جن کو نیا پلیٹ فارم آزمانے کی دعوت موصول ہوئی تھی۔ نئے سرچ انجن کی آزمائش میں ایک صارف نے پرپلیکسیٹی سے ایک ساتھ دو پکوان کے لیے خریداری کی لسٹ جو گروسری ویب سائٹ سے حاصل کی جاسکتی ہے سے متعلق دریافت کیا، اور بعد ازاں ان کو ایک ساتھ بنانے کی ترکیب پوچھی۔ واضح رہے کامیٹ میں ایک اے آئی اسسٹنٹ بھی ہوگا جو کلک، ٹائپ، سمٹ اور صارف کے لیے آٹو فل کرسکتا ہوگا۔ یہ معاون صارفین کی ای میلز اور کلینڈر کو مینج کرتے ہوئے فیڈ پر موجود اہم خبروں کو واضح بھی کرے گا۔ دوسری جانب اوپن اے آئی کے براوزر کے حوالے سے زیادہ معلومات موجود نہیں ہے۔ ان براوزرز کا اعلان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب گوگل سرچ کو مشکلات کا سامنا ہے۔ گزشتہ ہفتے یورپی عدالت برائے انصاف کے ایڈووکیٹ جنرل نے گوگل کی مسابقت مخالف رویے پر 4.1 ارب یورو جرمانے کے خلاف درخواست کو رد کرنے کی تجویز دی ہے۔ 2024 میں امریکا کے ایک ڈسٹرکٹ جج نے گوگل کے خلاف غیر قانونی اجارہ داری قائم کرنے کا فیصلہ سنایا تھا۔ گوگل کو امریکا کے علاوہ جاپان، کینیڈا اور برطانیہ میں انٹی ٹرسٹ تحقیقات کا سامنا ہے۔

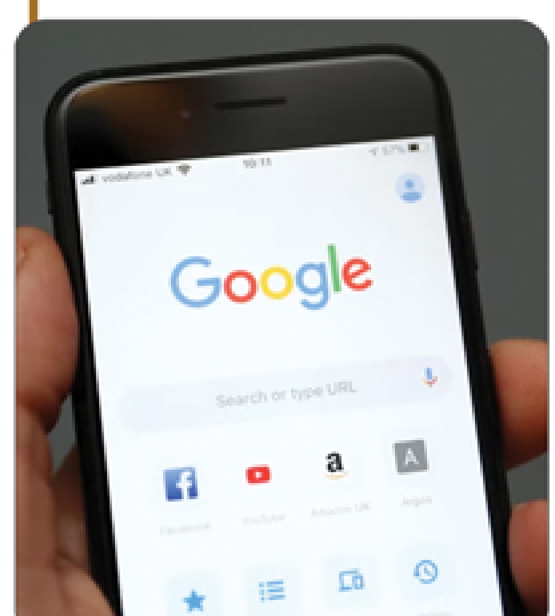

ڈیجیٹل اثاثوں میں سرمایہ کاری میں نمایاں اضافہ

اقوام متحدہ کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ عالمی معیشت میں ایک نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے، جہاں روایتی مادی اثاثوں کے بجائے اب سرمایہ کاروں کی توجہ تیزی سے سافٹ ویئر، ڈیٹا اور مصنوعی ذہانت جیسے غیر مرئی اثاثوں کی جانب بڑھ رہی ہے۔ ڈان اخبار میں شائع خبر رساں ادارے 'اے ایف پی' کی رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ نے ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ گزشتہ سال فزیکل اثاثوں کی خریداری کو پیچھے چھوڑتے ہوئے سافٹ ویئر، ڈیٹا اور مصنوعی ذہانت جیسے غیر مرئی اثاثوں میں سرمایہ کاری میں زبردست اضافہ دیکھا گیا، جسے معیشتوں کی ترقی اور مسابقت کے انداز میں ایک بنیادی تبدیلی قرار دیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی املاک دانش سے متعلق عالمی تنظیم (ڈبلیو آئی پی او) کی نئی رپورٹ کے مطابق 2024 میں املاک دانش سے جڑے اثاثوں میں سرمایہ کاری، فزیکل اثاثوں کی سرمایہ کاری کے مقابلے میں تین گنا زیادہ رفتار سے بڑھی، جب کہ مادی اشیا میں سرمایہ کاری کو بلند شرح سود اور سست معاشی بحالی نے متاثر کیا ہے۔ یہ رپورٹ اٹلی کی لوئیس بزنس اسکول کے اشتراک سے شائع کی گئی ہے، جس کے مطابق 27 ترقی یافتہ اور ابھرتی معیشتوں میں غیر مرئی اثاثوں میں سرمایہ کاری حقیقی معنوں میں تقریباً تین فیصد بڑھی، جو کہ 2023 میں 7 کھرب 40 ارب ڈالر سے بڑھ کر 2024 میں 7 کھرب 60 ارب ڈالر ہوگئی۔ ڈبلیو آئی پی او کے سربراہ ڈیرن ٹینگ نے کہا کہ ہم اس وقت ایک بنیادی تبدیلی کا مشاہدہ کررہے ہیں کہ معیشتیں کیسے ترقی کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ غیر یقینی حالات میں کاروباری اداروں نے فیکٹریوں اور آلات میں سرمایہ کاری سست کر دی ہے، لیکن وہ غیر مرئی اثاثوں پر دوگنا زور دے رہے ہیں۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ یہ رجحان پالیسی سازوں کے لیے نہایت اہم نتائج رکھتا ہے۔ ڈیرن ٹینگ کا کہنا تھا کہ وہ ممالک جو غیر مرئی سرمایہ کاری کو سمجھیں گے، وہ اس عالمی معیشت میں بہتر کارکردگی دکھاسکیں گے جو تیزی سے ٹیکنالوجی، ڈیجیٹل ترقی اور ثقافتی جدت پر انحصار کرتی جا رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق 2024 میں سب سے زیادہ غیر مرئی اثاثوں کی خریداری میں امریکا سرفہرست رہا، جہاں کی سرمایہ کاری فرانس، جرمنی، جاپان اور برطانیہ کے مقابلے میں تقریباً دوگنا تھی۔ دوسری جانب سویڈن دنیا کی سب سے زیادہ غیر مرئی اثاثوں پر انحصار کرنے والی معیشت رہا، جہاں ایسی سرمایہ کاری ملک کی مجموعی پیداوار (جی ڈی پی) کا 16 فیصد رہی۔ اس کے بعد امریکا، فرانس اور فن لینڈ کا نمبر آتا ہے، جہاں یہ شرح 15 فیصد رہی، بھارت کی غیر مرئی سرمایہ کاری کی شدت تقریباً 10 فیصد رہی جو کہ کئی یورپی ممالک اور جاپان سے بھی زیادہ ہے۔

رپورٹ کے مطابق 2008 سے 2024 تک غیر مرئی اثاثوں میں سرمایہ کاری نے مسلسل اور مضبوط ترقی دکھائی ہے، جس کی سالانہ مرکب شرح نمو تقریباً 4 فیصد رہی، جب کہ املاک دانش میں یہی شرح صرف ایک فیصد رہی۔

رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ سافٹ ویئر اور ڈیٹا بیں وہ شعبے ہیں جن میں غیر مرئی اثاثوں کی سرمایہ کاری سب سے تیزی سے بڑھ رہی ہے، 2013 سے 2022 کے درمیان ان شعبوں میں سرمایہ کاری میں سالانہ 7 فیصد سے زائد اضافہ ہوا۔

رپورٹ کے مطابق اس اضافہ کا براہ راست تعلق موجودہ مصنوعی ذہانت (اے آئی) کے بڑھتے ہوئے رجحان سے ہے۔

مصنوعی ذہانت نے چپس، سرورز اور ڈیٹا سینٹرز جیسے مادی انفرااسٹرکچر میں سرمایہ کاری کو پہلے ہی متحرک کیا ہے اور اب رپورٹ کے مطابق یہ رجحان غیر مرئی سرمایہ کاری، جیسے ڈیٹا سیٹس جن پر اے آئی سسٹمز کی تربیت ہوتی ہے، ان کو بھی تیزی سے بڑھا رہا ہے۔

ڈبلیو آئی پی او کے ڈپارٹمنٹ آف اکنامکس اینڈ ڈیٹا اینالیٹکس کے سربراہ ساچا وُنش وِنسنٹ نے کہا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مصنوعی ذہانت کے عروج کے وسط میں ہیں، لیکن درحقیقت ہم صرف شروعات کے مرحلے میں ہیں۔

14 TO 20 JULY, 2025 ☆☆☆ ۱۴ تا ۲۰ جولائی ۲۰۲۵ ☆☆☆

صارفین سے سرکار تک
چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم

کنزیومر واچ

CONSUMER WATCH KARACHI

https://www.facebook.com/ Consumerwatch.news

فرمانِ الٰہی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے
جو (ذی استطاعت) مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو بے چارے غریب صرف اتنا ہی کماتے جتنی مزدوری کرکے اور تھوڑی سی کمائی میں سے خرچ بھی کرتے ہیں ان پر جو (منافق) طعن کرتے ہیں اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے ان کے لیے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے۔
سورۃ التوبہ 09- آیت نمبر 79

مجلس ادارت:

● چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم ● ایگزیکٹو ایڈیٹر: ڈاکٹر ہما بخاری ● ایڈیٹر: نشید آفاقی
● لیگل ایڈوائزر: ندیم شیخ ایڈووکیٹ ● ایم ڈی سیلز اینڈ مارکیٹنگ: ظفر حسین، ڈائریکٹر
● بزنس ڈیولپمنٹ: ثوبیہ شاکر علی ● پریس منیجر: شکیل احمد خان
● رپورٹنگ ٹیم: احمد حسین انصاری، نصیر الدین، جاوید احمد
محمد دانش، ارباب حسین، حسنین احمد

● رپورٹنگ ٹیم: احمد حسین انصاری، نصیر الدین، جاوید احمد
محمد دانش، ارباب حسین، حسنین احمد

دفتر کا پتہ: H41، پی سی ایچ ایس، بلاک 2، کراچی
فون نمبر: 021-34528802-3

مجھے ہے حکم اذاں................!

گزشتہ ہفتے کی سب سے خوش آئند خبر یہ ہے کہ ملکی زرمبادلہ ذخائر 20 ارب ڈالر سے تجاوز کر گئے۔ اسٹیٹ بینک نے زرمبادلہ کے ذخائر سے متعلق ہفتہ وار اعداد و شمار جاری کردیے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے مطابق 4 جولائی کو ختم ہوئے کاروباری ہفتے میں ملکی زرمبادلہ ذخائر میں ایک ارب 93 کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافے کے بعد ملکی زرمبادلہ ذخائر 20 ارب 2 کروڑ ڈالر تک پہنچ گئے۔ اعلامیے کے مطابق اسٹیٹ بینک کے ذخائر میں ایک ارب 77 کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا جس کے بعد مرکزی بینک کے ذخائر 14 ارب 50 کروڑ ڈالر ہو گئے۔ اسی دوران کمرشل بینکوں کے ذخائر میں بھی 16 کروڑ ڈالر کا اضافہ ہوا اور ان کا مجموعی حجم 5 ارب 52 کروڑ ڈالر ریکارڈ کیا گیا۔ پاکستان اور متحدہ عرب امارات نے ڈیجیٹل اصلاحات اور گورننس پر تعاون بڑھانے پر اتفاق کرلیا۔ ایک اور اچھی خبر یہ ہے کہ وزیر مملکت برائے خزانہ و ریلوے اور وزیراعظم کی ڈیلیوری یونٹ کے سربراہ بلال اظہر کیانی نے اماراتی حکام سے ملاقات کی۔ ملاقات میں پاکستانی وفد نے اماراتی حکام کو پاکستان کے اصلاحاتی ایجنڈے خصوصاً ڈیجیٹلائزیشن سے آگاہ کیا اور امارات کے ڈیجیٹائزیشن ماڈل سے سیکھنے اور تعاون بڑھانے کا عزم دہرایا۔ پاکستان کا وفد وزیر مملکت برائے بلال اظہر کیانی کی سربراہی میں متحدہ عرب امارات کے زیر اہتمام "ایکسپیرینس ایکسچینج پروگرام" (EEP) میں شریک ہے جہاں پاکستانی وفد نے متحدہ عرب امارات کے وزیر مملکت برائے مالیاتی امور محمد بن ہادی الحسینی سے ملاقات کی اور پاکستانی اصلاحاتی مشن سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان ای کامرس، ڈیجیٹلائزیشن سے دیرپا معاشی استحکام کی راہ پر گامزن ہے۔ پاکستانی سفارت خانہ ابوظبی کے مطابق پاک امارات وزرا کی ملاقات دراصل پاکستان کی وزارت منصوبہ بندی، ترقی و خصوصی اقدامات اور متحدہ عرب امارات کی وزارت کابینہ امور کے درمیان دستخط شدہ مفاہمت کی یادداشت (MoU) کے سلسلے کی کڑی ہے۔ سفارتی اعلامیہ کے مطابق پاک امارات مفاہمت کی یادداشت (MoU) عوامی شعبے کے نظم و نسق کو جدید بنانے، ادارہ جاتی صلاحیت کو بڑھانے اور انتظامی نظام کو فروغ دینے کے مشترکہ عزم کو ظاہر کرتی ہے۔ وفاقی حکومت نے 5 لاکھ میٹرک ٹن چینی کی درآمد کا باضابطہ عمل شروع کردیا۔ ٹریڈنگ کارپوریشن پاکستان نے 3 لاکھ ٹن چینی کی درآمد کے لیے پہلا ٹینڈر جاری کردیا اور چینی کی درآمد کے لیے انٹرنیشنل سپلائرز/مینوفیکچررز سے 18 جولائی تک لفافہ بند بولیاں طلب کی گئی ہیں۔ دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ چینی کی درآمد سرکاری سطح پر ٹی سی پی کے ذریعے کی جارہی ہے اور وفاقی حکومت نے چینی کی درآمد پر تمام ٹیکسز سے استثنیٰ دیا ہے۔ ٹینڈر دستاویز کے مطابق حکومت کا فیصلہ ہے کہ درآمد چینی موٹے دانے اور اعلیٰ معیار کی ہوگی، اس کے علاوہ وفاقی حکومت نے چینی کی شپمنٹ کے بعد معائنہ لازمی قرار دیا ہے۔

خیر اندیش
شیخ راشد عالم
چیف ایڈیٹر کنزیومر واچ

Top Stories ٹاپ اسٹوریز

شوگر انڈسٹری پر سیاسی اثرات
مافیا کے دباؤ کی بازگشت

PAGE 04

لبوبو کی دنیا میں

PAGE 08

بھارت کی معاشی سازش بھی ناکام
پاکستان کی تجارت رواں دواں

PAGE 06

امریکی ریاست ٹیکساس میں
تاریخ کی بدترین سیلابی صورتحال

PAGE 11

پاکستان کا ڈیجیٹل معیشت
کی جانب تاریخی قدم

PAGE 07

بیوروکریٹس کے لیے مالی فوائد حاصل
کرنے کا لامحدود راستہ کھول دیا گیا

PAGE 12

چیف ایڈیٹر و پبلشر شیخ راشد عالم نے فیئر پرنٹنگ پریس راجہ کوثر بلڈنگ، برنس روڈ سے چھپوا کر H-41، پی سی ایچ ایس، بلاک 2 کراچی سے شائع کیا

شوگر انڈسٹری پر سیاسی اثرات، مافیا کے دباؤ کی بازگشت، حکومت کی دوٹوک تردید

بی بی سی اردو، رپورٹ

چائے سے لے کر مشروبات اور مٹھائیوں کی تیاری تک پاکستان میں چینی کا استعمال خوراک کا اہم جزو ہے مگر اس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ پاکستانیوں کے کھانے پینے کی چیزوں پر اٹھنے والے اخراجات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ محتاط اندازوں کے مطابق ہر پاکستانی سالانہ تقریباً 28 کلوگرام چینی استعمال کرتا ہے۔ مگر چینی کا نام کھانے پینے تک محدود نہیں بلکہ اسے پاکستانی سیاست، اس میں سرگرم اہم شخصیات اور خاندانوں سے بھی جوڑا جاتا ہے۔ اس کی قیمت بھی ایک ایسا معاملہ ہے جس پر ہر چند برس بعد بحران جیسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔

گذشتہ ماہ پاکستان میں چینی کی درآمد کے حکومتی فیصلے پر خاصی تنقید ہوئی ہے۔ ناقدین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ حکومت نے شوگر ملز کو گذشتہ مالی سال کے دوران چینی برآمد کرنے کی اجازت ہی کیوں دی تھی۔ 2 جولائی کو نائب وزیر اعظم اسحاق ڈار کے دفتر سے جاری ہونے والے بیان کے مطابق لاکھوں ٹن چینی درآمد کرنے کی اجازت اس لیے دی گئی تا کہ 'مقامی مارکیٹ میں مناسب سپلائی اور قیمتوں میں استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔' سرکاری اعداد و شمار کے مطابق گذشتہ مالی سال کے دوران پاکستان نے ساڑھے سات لاکھ ٹن سے زائد چینی کی برآمد کی تھی جبکہ اب حکومت نے اتنی ہی مقدار درآمد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

چینی کی امپورٹ ایکسپورٹ کے علاوہ ہر سال ملک میں گنے کے کرشنگ سیزن کے وقت قیمت کے تعین سے لے کر کسانوں کو ادائیگی میں تاخیر تک، مختلف نوعیت کے تنازعات جنم لیتے رہتے ہیں۔

بعض مبصرین جہاں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان میں شوگر ملز ایک کارٹیل کی طرح کام کرتے ہیں وہیں ماہرین کا ماننا ہے کہ یہ تاثر اس لیے قائم ہوا کیونکہ ملک میں شوگر ملز کی ایک بڑی تعداد سیاسی افراد کی ملکیت ہیں اور اسی لیے یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ وہ اس صنعت سے متعلق حکومتی پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں بحران نے اس وقت جنم لیا جب حکومت نے 750000 ٹن چینی درآمد کرنے کا کیا جبکہ گذشتہ مالی سال کے دوران حکومت نے 750000 ٹن سے زائد چینی برآمد کرنے کی اجازت دی تھی۔

ملک میں اس وقت چینی کی قیمت بعض شہروں میں 190 روپے فی کلو سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔

پاکستان کے ادارہ شماریات کے مطابق گذشتہ ہفتے چینی کی فی کلو ریٹیل قیمت 182 فی کلو تھی جو گذشتہ سال 143 روپے تھی۔ چینی کی قیمتوں میں کمی لانے کے لیے حکومت نے چینی کی درآمد کا فیصلہ کیا ہے۔

تاہم تیس جون 2025 کو ختم ہونے والے مالی سال میں 750000 ٹن چینی کی برآمد کے فیصلے کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جس کے ذریعے شوگر ملز نے چینی برآمد کر کے غیر ملکی زرمبادلہ کی صورت میں آمدنی حاصل کی۔ دوسری جانب مقامی مارکیٹ میں صارفین کے لیے اس کی قیمت بڑھ گئی۔

موجودہ حکومت سے پہلے پاکستان تحریک انصاف کے دور میں بھی ایسا ہی ایک تنازع پیدا ہوتا تھا۔ اپوزیشن کی تنقید کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم عمران خان کی ہدایت پر ایف آئی اے نے ایک انکوائری بھی کی جس میں ملک میں چینی کی قلت اور اس کی قیمت میں اضافے کا ذمہ دار شوگر ملز کو قرار دیا گیا تھا۔

ایف آئی اے کی اس انکوائری رپورٹ میں جے ڈی ڈبلیو یعنی جمالدین والی گروپ، رحیم یار خان گروپ، اومنی گروپ، شامین احمد خان گروپ کی شوگر ملز کو اس وقت چینی بحران کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔

اس انکوائری میں ملز کو چینی کی برآمد کے لیے برآمدی سبسڈی سے فائدہ اٹھا کر منافع کمانے کے ساتھ مقامی مارکیٹ میں چینی کی قیمت میں اضافے سے زیادہ منافع کمانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔

واضح رہے کہ اس وقت بھی چینی کی برآمد کی وجہ سے اس کی قیمت مقامی منڈی میں کافی اوپر چلی گئی تھی۔

جمالدین والی شوگر مل کی ویب سائٹ پر موجودہ معلومات کے مطابق جہانگیر ترین جے ڈی ڈبلیو گروپ کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے رکن ہیں جس کی ملکیت میں تین شوگر ملز ہیں

پاکستان میں کتنی شوگر ملز ہیں اور ان کے مالکان کون ہیں؟

پاکستان کے صنعتی شعبے میں شوگر انڈسٹری کا حصہ قریب ساڑھے تین فیصد ہے۔

پاکستان شوگر ملز ایسوسی ایشن کی ویب سائٹ کے مطابق اس تنظیم کے 48 ارکان ہیں۔ تاہم ٹریڈ ڈویلپمنٹ اتھارٹی آف پاکستان نامی سرکاری ادارے کے مطابق اس وقت مجموعی طور پر 72 شوگر ملز کام کر رہی ہیں۔

جبکہ پنجاب فوڈ ڈپارٹمنٹ کی ویب سائٹ کے مطابق ان کی تعداد 85 ہے جن کی اکثریت یعنی 45 شوگر ملز پنجاب میں قائم ہیں جبکہ سندھ میں ان کی تعداد 32 اور خیبر پختونخوا میں آٹھ ہے۔

چینی سے جڑے تنازعات پر اکثر شوگر ملز مالکان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حکومتی پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کے منافع کی قیمت عام صارفین کو چکانی پڑتی ہے۔

درحقیقت ملک میں قائم کئی شوگر ملز کاروباری افراد کے علاوہ بااثر سیاسی شخصیات اور خاندانوں کی ملکیت میں بھی ہیں تاہم ہم نے اس حوالے سے کچھ جانچ پڑتال کی ہے۔

پاکستان میں شوگر ملز کی ملکیت خالصتاً کاروباری افراد، جن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، کے ساتھ ساتھ سیاسی افراد کے پاس بھی ہے۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

جمالدین والی شوگر مل اور جہانگیر ترین

جمالدین والی شوگر مل کی ویب سائٹ پر موجودہ معلومات کے مطابق جہانگیر ترین جے ڈی ڈبلیو گروپ کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے رکن ہیں جس کی ملکیت میں تین شوگر ملز ہیں۔ ان میں دو پنجاب کے ضلع رحیم یار خان اور ایک سندھ کے ضلع گھوٹکی میں موجود ہے۔

اس گروپ کے بورڈ کے ڈائریکٹر اور چیئرمین مخدوم احمد محمود ہیں جو سابق گورنر پنجاب ہیں۔ اسی طرح ان کے بیٹے سید مصطفیٰ محمود بھی ایک بورڈ کے ایک ڈائریکٹر ہیں جو رحیم یار خان سے پی پی پی کے ٹکٹ پر ایم این اے ہیں۔ شریف گروپ کی ویب سائٹ کے مطابق اس کی ملکیت میں دو شوگر ملز ہیں جن میں سے ایک رمضان شوگر مل اور دوسری العربیہ شوگر مل ہے۔

رحیم یار خان گروپ

رحیم یار خان گروپ کی ویب سائٹ پر موجودہ معلومات کے مطابق اس کی ملکیت شوگر مل رحیم یار خان میں واقع ہے۔ اس کے چیف ایگزیکٹو آفیسر مخدوم عمر شہر یار ہیں جو سابق وفاقی وزیر خسرو بختیار کے بھائی ہیں۔

الیکشن کمیشن میں جمع اثاثوں کے تفصیلات کے مطابق اس گروپ کے مالکان میں کیسکیڈ ٹیک کمپنی بھی شامل ہے جس میں چوہدری مونس الٰہی شیئر ہولڈرز ہیں۔ وہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کے بیٹے ہیں۔

یہی رحیم یار خان شوگر ملز، الائنس شوگر ملز کی بھی مالک ہے۔ اشرف گروپ آف انڈسٹریز کی ویب سائٹ کے مطابق ضلع بہاولپور میں واقع اشرف شوگر ملز چوہدری ذکا اشرف کی ملکیت ہے جو پاکستان کرکٹ بورڈ کے سابق چیئرمین اور صدر آصف زرداری کے قریبی ساتھی سمجھے جاتے ہیں۔

شریف گروپ اور سیاست دانوں کی شوگر ملز

شریف گروپ کی ویب سائٹ کے مطابق اس کی ملکیت میں دو شوگر ملز ہیں جن میں سے ایک رمضان شوگر مل اور دوسری العربیہ شوگر مل ہے۔ شریف گروپ کی بنیاد میاں محمد شریف نے رکھی تھی جو سابق وزیر اعظم نواز شریف اور موجودہ وزیر اعظم شہباز شریف کے والد ہیں۔

اسی طرح کشمیر شوگر مل الشفیع گروپ کی ملکیت ہے جو شریف فیملی کے رشتہ دار ہیں۔

حسیب وقاص گروپ تین شوگر ملوں کا مالک ہے۔ گروپ کی ویب سائٹ پر دی گئی تفصیلات کے مطابق اس کی ملکیت میں حسیب وقاص شوگر ملز، یوسف شوگر ملز اور عبداللہ شوگر ملز ہیں۔ حسیب وقاص گروپ میاں الیاس معراج کی ملکیت ہے جو میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کے کزن ہیں ملتان میں قائم فاطمہ شوگر مل کی ویب سائٹ پر معلومات کے مطابق اس کے چیف ایگزیکٹو آفیسر فیصل مختار ہیں جو ملتان کے سابق ضلع ناظم ہیں۔ نون شوگر ملز کے بورڈ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر سیف اللہ خان نون ہیں جو معروف سیاسی خاندان نون فیملی کا حصہ ہیں۔

راجن پور کا دریشک خاندان انڈس شوگر ملز راجن پور میں حصہ دار ہے۔ 2018 کے انتخابات میں راجن پور سے ممبر پنجاب اسمبلی منتخب ہونے والے سردار حسنین بہادر خان دریشک ماضی میں صوبے کے وزیر خزانہ اور لائیو سٹاک کے صوبائی وزیر بھی رہے۔ ان کے الیکشن کمیشن میں جمع اثاثوں کی تفصیلات کے مطابق وہ اس مل میں حصہ دار ہیں۔ تاندلیانوالہ شوگر ملز کی ویب سائٹ پر موجود معلومات کے مطابق اس کی ملکیت میں دوسرے افراد کے ساتھ ہمایوں اختر خان بھی شامل ہیں جو سابق وفاقی وزیر ہیں جبکہ ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون اختر خان بھی ہیں جو اس وقت وزیر اعظم کے معاون خصوصی ہیں۔

رحیم یار خان گروپ کی ویب سائٹ پر موجودہ معلومات کے مطابق اس کی ملکیت شوگر مل رحیم یار خان میں واقع ہے۔ اس کے چیف ایگزیکٹو آفیسر مخدوم عمر شہر یار ہیں جو سابق وفاقی وزیر خسرو بختیار کے بھائی ہیں

سندھ کی شوگر ملز اور اومنی گروپ

سندھ میں شوگر ملز کی ملکیت کو دیکھا جائے تو اومنی گروپ کی ویب سائٹ پر فراہم معلومات کے مطابق یہ گروپ نو شوگر ملز کی مالک ہے جن میں انصاری شوگر ملز، باوانی شوگر ملز، چمبر شوگر ملز، خوسکی شوگر ملز، لاڑ شوگر ملز، نوڈیرو شوگر ملز، نیو دادو شوگر ملز، نیو ٹھٹھہ شوگر ملز اور ٹنڈو اللہ یار شوگر ملز شامل ہیں۔

اومنی گروپ انور مجید کی ملکیت ہے جو اگرچہ براہ راست سیاست میں شامل نہیں تاہم ان کا شمار صدر آصف زرداری کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔

سندھ کے ضلع بدین میں قائم مرزا شوگر ملز کی سٹاک مارکیٹ پر دی گئی آخری معلومات کے مطابق اس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں ڈاکٹر ذوالفقار مرزا شامل ہیں جو سندھ کے سابق وزیر داخلہ اور سابق اسپیکر قومی اسمبلی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا کے شوہر ہیں۔

خیبر پختونخوا کی شوگر ملز

خیبر پختونخوا میں قائم شوگر ملز میں پریمیئر شوگر ملز اور چشمہ شوگر ملز عباس سرفراز خان کی ملکیت ہیں جو سابق صدر پرویز مشرف کی وفاقی کابینہ کا حصہ تھے۔ اسی طرح تاندلیانوالہ شوگر ملز کا ایک یونٹ ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی ہے جو اختر فیملی کی ملکیت ہے۔

کیا پاکستان میں شوگر مل بنانا آسان ہے؟

ہم نے وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے صنعت و پیداوار ہارون اختر خان سے پوچھا کہ پاکستان میں شوگر مل کیسے قائم کی جا سکتی ہے اور اس

کے لیے لائسنس کیسے حاصل کیا جاتا ہے تو انھوں نے بتایا کہ یہ ایک صوبائی معاملہ ہے۔

ان کے مطابق پنجاب میں اس وقت نئی شوگر مل یا کسی موجودہ شوگر مل کے قیام میں توسیع کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری جانب سندھ اور خیبر پختونخواہ میں نئی شوگر مل صرف اس صورت میں قائم کی جا سکتی ہے اگر صوبائی حکومت اس کی اجازت دے جبکہ بلوچستان میں گنے کی فصل نہیں ہوتی اور اسی لیے وہاں اس کی ضرورت نہیں۔

مسابقتی کمیشن آف پاکستان کی شوگر سیکٹر پر 2010 میں بنائی جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق اگر حکومت کی جانب سے کوئی پابندی نہ بھی ہو تو کسی علاقے میں شوگر مل لگانے کے لیے اس علاقے کی سیاسی اور سماجی اشرافیہ کی غیر رسمی منظوری ضروری ہوتی ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق شوگر مل لگانے کے لیے سیاسی بنیادوں پر لائسنس کی ایک طویل تاریخ ہے اور معاشی اور کمرشل بنیادوں کے بجائے سیاسی بنیادوں پر شوگر مل لگانے کی وجہ سے اس شعبے میں حالات خراب ہوئے۔

رپورٹ کے مطابق 1948 سے شوگر انڈسٹری کی شروعات سے لے کر اب تک کئی اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔ 1948 میں دو شوگر ملز سے شروع ہونے والی انڈسٹری 1960 چھ شوگر ملز پر مشتمل تھی۔ 1961 سے 1970 تک شوگر ملوں کی تعداد 20 ہو گئی اور 1980 تک یہ تعداد 34 ہو چکی تھی۔

اسی کی دہائی میں 26 نئی شوگر ملز کے قیام کے بعد ان کی تعداد 60 تک جا پہنچی۔ تاہم 1990 کے بعد سے موجودہ صدی کی پہلی دہائی تک نئی شوگر ملز کے قیام کی رفتار سست رہی اور اس عرصے میں صرف 19 نئی شوگر ملز لگائی گئیں۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں شوگر مل لگانے میں سیاست کا کلیدی کردار ہے، چاہے شوگر مل لگانی ہو یا اس کے لیے فنانسنگ اور اسے آپریٹ کرنے کے لیے سیاسی پشت پناہی ضروری ہے۔

شوگر ملز ایسوسی ایشن

پاکستان شوگر ملز ایسوسی ایشن کے سابق چیئرمین سکندر خان نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے چینی شعبے کو ڈی ریگولیٹ کرنے کی حمایت کی تا کہ 'ذخیرہ اندوزی، کارٹیلائزیشن اور قیمتوں پر ناجائز منافع خوری کو روکا جا سکے'۔

جب چینی کے شعبے میں سیاسی افراد کی جانب سے اثر انداز ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ 'ایسے الزامات سامنے آتے رہتے ہیں'۔ تاہم انھوں نے کہا 'اس شعبے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ڈی ریگولیٹ کر دیا جائے تا کہ ایسے بحرانوں سے بچا جا سکے'۔

انھوں نے کہا کہ گھریلو صارفین کے لیے اگر چینی پر سیلز ٹیکس ختم کر دیا جائے تو حکومت کے ریونیو پر کوئی فرق نہ پڑے گا کیونکہ زیادہ مقدار میں چینی انڈسٹری میں استعمال ہوتی ہے۔ 'تاہم گھریلو صارفین کے لیے سیلز ٹیکس کے چینی پر خاتمے سے اس کی قیمت کو نیچے لایا جا سکتا ہے'۔

پاکستان شوگر ملز ایسوسی ایشن کے چیئرمین چوہدری ذکا اشرف نے اس سلسلے میں بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 'یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ چینی کے ایشو پر صرف شوگر ملز والے ہی خراب بندے ہیں'۔ انھوں نے کہا کہ 'جب کچھ صحیح چل رہا ہو تو حکومت کہتی ہے کہ ان کی پالیسی ہے اور جب کچھ غلط ہو جائے تو کسی نہ کسی کو قربانی کا بکرا بنانا ہوتا ہے'۔ انھوں نے اس تاثر کی بھی نفی کی کہ شوگر ملز مالکان کا سیاسی اثر و رسوخ ہے جس کی بنیاد پر وہ پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ ذکا اشرف پاکستان کرکٹ بورڈ کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ 'سوائے چند ملز کے باقی شوگر مالکان خالصتاً کاروباری افراد ہیں'۔ ذکا اشرف نے کہا کہ 'عمران خان کے دور کا چینی بحران ہو یا موجودہ دور کا، اس میں شوگر ملز مالکان نے حکومت کو جو تجاویز دیں اس کے برخلاف ہی پالیسی بنائی گئی جس کا جب خراب نتیجہ نکلتا ہے تو شوگر انڈسٹری کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے'۔

حکومت کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟

پاکستان میں شوگر انڈسٹری کے حکومتی ایوانوں میں اثر و رسوخ اور پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے بارے میں بی بی سی نے وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے صنعت و پیداوار ہارون اختر خان سے رابطہ کیا جن کا اپنا خاندان شوگر انڈسٹری میں سرگرم ہے۔ ہارون اختر نے اس بات کی تردید کی کہ شوگر انڈسٹری مالکان حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ 'شوگر انڈسٹری کے افراد کا پالیسی میں کوئی کردار نہیں ہے'۔ ان کے مطابق 'شوگر انڈسٹری بھی دوسرے شعبوں کی طرح لابنگ کرتی ہے تاہم یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ حکومتی پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہے'۔ انھوں نے کہا کہ 'یہ ایک اچھی خاصی انڈسٹری ہے جسے سیاست زدہ کرنے کی کوششوں نے اس کی ترقی کو متاثر کیا'۔

انھوں نے کہا کہ 'اس وقت صورتحال یہ ہے کہ پچاس فیصد شوگر ملز دیوالیہ ہو چکی ہیں'۔ ان کے مطابق شوگر ملز مالکان کی اکثریت غیر سیاسی افراد پر مشتمل ہے۔ ہارون اختر کا کہنا تھا کہ 'کسی زمانے میں بڑے بڑے کاروباری گروپ شوگر ملز کے مالک تھے۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ صرف وسطی پنجاب میں 20-25 فیصد شوگر ملز کے مالکان تبدیل ہو چکے ہیں'۔ شوگر انڈسٹری کے حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کے دعوؤں پر ان کا کہنا تھا کہ بعض ماہرین کی رائے ماضی پر محیط ہے تاہم 'اب ایسا نہیں ہوتا'۔ انھوں نے کہا کہ وہ شوگر ملز کے علاوہ دوسرے صنعتی شعبوں کے سٹیک ہولڈرز سے ملتے ہیں جس میں 'شوگر انڈسٹری سمیت سب اپنے لیے لابی کرتے ہیں تاہم ایسا نہیں ہے کہ وہ حکومتی پالیسی کو بدل سکیں'۔ انھوں نے اس بات کی تائید کی کہ چینی کے شعبے کو بھی ڈی ریگولیٹ ہونا چاہیے کیونکہ صوبائی سطح پر یہ بہت زیادہ ریگولیٹڈ سیکٹر ہے۔ ہارون اختر نے بتایا کہ ایک زمانے میں چاول ریگولیٹڈ شعبہ تھا اور اس میں مسائل درپیش ہوتے تھے تاہم جب سے یہ شعبہ ڈی ریگولیٹ ہوا ہے تو اس میں کوئی بحران نہیں ہوتا۔ انھوں نے کہا کہ 'چینی کے شعبے کو ڈی ریگولیٹ کرنے کے بعد بھی حکومت کو پانچ لاکھ ٹن تک بفر سٹاک رکھنا چاہیے تا کہ چینی کی قیمتوں کو مستحکم رکھا جا سکے'۔

بھارت کی معاشی سازش بھی ناکام، پاکستان کی تجارت رواں دواں

کنزیومر واچ رپورٹ

بھارت کی جانب سے پاکستانی مال بردار جہازوں پر بندرگاہوں کے استعمال کی پابندی کا اقدام مطلوبہ نتائج نہ دے سکا، شپنگ کمپنیوں نے متبادل راستے اور حکمت عملی اپنا کر تجارت کا تسلسل برقرار رکھا، جس سے بھارت کا دباؤ مؤثر ثابت نہ ہو سکا۔

پاکستان کی بین الاقوامی تجارت کو متاثر کرنے کے لیے بھارت کی جانب سے پاکستانی سامان لے جانے والے بحری جہازوں پر اپنی بندرگاہوں پر لنگر انداز ہونے کی پابندی کا اقدام کامیاب نہیں ہو سکا , شپنگ انڈسٹری کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ یہ بھارتی اقدام مطلوبہ اثرات مرتب کرنے میں ناکام رہا ہے۔ یاد رہے کہ بھارت نے 2 مئی کو ایسے بحری جہازوں پر پابندی عائد کی تھی جو پاکستان سے سامان لے کر آ رہے ہوں یا پاکستان کی جانب جا رہے ہوں، انہیں بھارتی بندرگاہوں میں داخلے یا بھارتی علاقوں سے گزرنے سے روک دیا گیا تھا۔ یہ قدم بھارت نے 7 مئی کو شروع کیے گئے فوجی آپریشن 'سندور' کے بعد اٹھایا تھا، جو پاکستان کے مؤثر جوابی اقدام کے باعث چار دن میں ہی ختم ہو گیا تھا۔

ابتدائی طور پر بھارت کا مقصد پاکستان کی تجارتی روانی کو نقصان پہنچانا تھا، تاہم نتائج اس کی توقعات کے مطابق نہیں نکلے۔ شپنگ کمپنیوں نے فوری طور پر حکمت عملی تبدیل کرتے ہوئے پاکستان سے آنے اور جانے والے سامان کو علیحدہ کر دیا، یوں بھارتی بندرگاہوں پر ان کا انحصار ختم ہو گیا۔ تاہم درآمد کنندگان کا کہنا ہے کہ بھارتی پابندی کے نتیجے میں شپنگ کا دورانیہ بڑھ گیا ہے اور کرایوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر جاوید بلوانی کا کہنا ہے کہ بڑے بحری جہاز اب پاکستان نہیں آ رہے، جس کے باعث ہماری درآمدات میں 30 سے 50 دن کی تاخیر ہو رہی ہے، اب درآمد کنندگان کو فیڈر ویسلز پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے، جس سے اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ برآمد کنندگان نے یہ بھی بتایا کہ بھارتی جارحیت کے بعد شپنگ اور انشورنس کی لاگت میں اضافہ ہوا ہے، تاہم ان کے مطابق مجموعی برآمدات پر اس کا اثر محدود رہا ہے۔ ٹیکسٹائل مصنوعات کے برآمد کنندہ عامر عزیز نے کہا کہ بھارتی جارحیت کے بعد برآمدات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا، سوائے اس کے کہ انشورنس کے اخراجات بڑھ گئے ہیں، جب کہ شپنگ کے اخراجات تو پہلے ہی بڑھ چکے تھے۔ پاکستان کی برآمدات کا انحصار بڑی حد تک درآمد شدہ خام مال پر ہے اور حکومت کی جانب سے زرمبادلہ کے ذخائر بچانے کے لیے درآمدات پر سخت کنٹرول کے باعث سپلائی چین میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کے ملکی معیشت پر وسیع اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، پاکستان شپ ایجنٹس ایسوسی ایشن کے سیکریٹری جنرل سید طاہر حسین نے اس تاثر کو رد کر دیا کہ بڑے بحری جہازوں نے پاکستانی بندرگاہوں پر آنا بند کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کراچی اور پورٹ قاسم پر بڑے بحری جہازوں کو آتے دیکھ سکتے ہیں, فیڈر ویسلز بھی پاکستان کی تجارتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ یہ 6 ہزار سے 8 ہزار کنٹینرز لے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، جو ہمارے موجودہ درآمدی و برآمدی حجم سے کہیں زیادہ ہے۔

پاکستان-بھارت تجارت

پاکستان اور بھارت کے درمیان باضابطہ تجارتی تعلقات 2019 سے معطل ہیں، 2018 میں دوطرفہ تجارت کا حجم 2 ارب 41 کروڑ ڈالر تھا جو 2024 میں گھٹ کر صرف 1 ارب 20 کروڑ ڈالر رہ گیا۔

2019 میں پاکستان کی بھارت کو برآمدات 54 کروڑ 75 لاکھ ڈالر تھیں، جو 2024 میں کم ہو کر صرف 4 لاکھ 80 ہزار ڈالر رہ گئیں۔

اس کے باوجود، غیر رسمی تجارت عروج پر ہے، الجزیرہ نے بھارت کی گلوبل ٹریڈ ریسرچ انیشی ایٹو (جی ٹی آر آئی) کے حوالے سے گزشتہ ماہ رپورٹ کیا تھا کہ بھارت کی پاکستان کو غیر رسمی برآمدات کا تخمینہ سالانہ 10 ارب ڈالر ہے۔ یہ غیر رسمی تجارت دبئی (یو اے ای)، کولمبو (سری لنکا) اور سنگاپور کی بندرگاہوں کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ بھارت کی برآمدات میں ادویات، پیٹرولیم مصنوعات، پلاسٹک، ربڑ، نامیاتی کیمیکلز، رنگ، سبزیاں، مصالحے، کافی، چائے، ڈیری مصنوعات اور اناج شامل ہیں، جب کہ پاکستان کی بھارت کو اہم برآمدات میں تانبا، شیشہ، نامیاتی کیمیکلز، گندھک، پھل، میوے اور کچھ تیل دار بیج شامل ہیں۔

بجلی بلوں سے صوبائی 'الیکٹریسٹی ڈیوٹی' ختم کرنے کا فیصلہ

کنزیومر واچ رپورٹ

وفاقی حکومت نے بجلی بلوں سے صوبائی 'الیکٹریسٹی ڈیوٹی' ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، وفاقی وزیر توانائی اویس لغاری نے تمام صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو خط ارسال کر دیے۔ خط میں وفاقی وزیر توانائی کا کہنا تھا کہ رواں ماہ سے بجلی بلوں کے ذریعے صوبائی 'الیکٹریسٹی ڈیوٹی' کی وصولی بند ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ بجلی کے بلوں میں ٹیکسوں کا بوجھ کم کرنا چاہتے ہیں، بلوں میں متعدد چارجز اور ڈیوٹیوں سے صارفین الجھن کا شکار ہیں۔ خط میں وفاقی وزیر نے بجلی کے نرخ کم کرنے کے حکومتی اقدامات بھی اجاگر کیے اور آئی پی پیز معاہدوں پر نظرثانی، سرکاری پاور پلانٹس کا آر او ای کم کرنے پر کام جاری رکھنے کا بھی ذکر کیا۔ اویس لغاری نے مطالبہ کیا کہ صوبے متبادل ذرائع سے ڈیوٹی وصولی کے طریقے تجویز کریں اور کہا کہ بل صرف بجلی کے اصل خرچ کو ظاہر کریں، یہی ہمارا ہدف ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ صارفین صرف بجلی کی قیمت ادا کریں، اضافی چارجز کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

پاکستان کا ڈیجیٹل معیشت کی جانب تاریخی قدم

کنزیومرواچ رپورٹ

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے گورنر جمیل احمد نے اعلان کیا ہے کہ ملک جلد ہی ڈیجیٹل کرنسی کے حوالے سے پائلٹ منصوبہ شروع کرے گا، جبکہ ورچوئل اثاثہ جات کے لیے ایک جامع قانون سازی بھی حتمی مراحل میں ہے۔ یہ اعلان سنگاپور میں منعقدہ رائٹرز نیکسٹ ایشیا سمٹ میں کیا گیا، جہاں گورنر جمیل احمد سری لنکا کے مرکزی بینک کے گورنر پی. نندلال ویراسنگھے کے ساتھ ایک پینل گفتگو میں شریک تھے۔

یہ اقدام ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب دنیا بھر کے مرکزی بینک بلاک چین پر مبنی مالیاتی نظاموں کو آزما رہے ہیں۔ چین، بھارت، نائیجیریا اور کئی خلیجی ممالک اس وقت مرکزی بینک ڈیجیٹل کرنسی (CBDC) کے پائلٹ پروگراموں پر کام کر رہے ہیں، اور پاکستان نے بھی اس دوڑ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

ڈیجیٹل کرنسی کی تیاری

گورنر جمیل احمد نے واضح کیا کہ اسٹیٹ بینک "سینٹرل بینک ڈیجیٹل کرنسی پر اپنی صلاحیت کو بڑھا رہا ہے" اور جلد ہی اس کا عملی آغاز متوقع ہے۔ اس منصوبے کے تحت مخصوص ٹیکنالوجی پارٹنرز کے ساتھ مل کر ایک پائلٹ پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے جو ملکی مالیاتی نظام کو جدید بنانے کی سمت ایک اہم قدم ہوگا۔

ورچوئل اثاثہ جات کی قانون سازی

ورچوئل اثاثہ جات کے حوالے سے حکومت نے ایک اہم پیش رفت کی ہے۔ صدر مملکت آصف علی زرداری نے وزیراعظم کی سفارش پر "ورچوئل اثاثہ جات ایکٹ 2025" کی منظوری دے دی ہے۔ اس ایکٹ کے تحت "ورچوئل اثاثہ جات ریگولیٹری اتھارٹی" کے قیام کی منظوری دی گئی ہے، جو ایک خودمختار وفاقی ادارہ ہوگا۔ اس اتھارٹی کو ملک میں ورچوئل اثاثوں سے وابستہ کمپنیوں کو لائسنس جاری کرنے اور ان کی نگرانی کا مکمل اختیار حاصل ہو گا۔ پاکستان کرپٹو کونسل (PCC)، جو مارچ میں قائم کی گئی تھی، اس نئی قانون سازی کے پیچھے ایک کلیدی قوت رہی ہے۔ پی سی سی کے سی ای او اور ریاستی وزیر برائے بلاک چین و کرپٹو، بلال بن ثاقب نے بتایا کہ حکومت نے کرپٹو انڈسٹری کو باقاعدہ بنانے اور اسے فروغ دینے کے لیے اس قانون کی منظوری دی ہے۔

کرپٹو انڈسٹری کی وسعت

پی سی سی کرپٹو کرنسی کے مختلف پہلوؤں کو فروغ دینے کے لیے سرگرم ہے، جن میں اضافی توانائی کے استعمال سے بٹ کوائن مائننگ کا منصوبہ، اور ایک ریاستی سطح پر اسٹریٹجک بٹ کوائن ریزرو قائم کرنا شامل ہے۔ پی سی سی نے معروف عالمی شخصیات جیسے بائنانس کے بانی چانگ پینگ ژاؤ کو اسٹریٹجک مشیر مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ، پی سی سی نے امریکہ میں قائم ورلڈ لبرٹی فنانشل جیسی کمپنیوں کے ساتھ بھی شراکت داری پر بات چیت کی ہے، جو سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے منسلک ہے۔

اسٹیٹ بینک کی پالیسی اور معیشت کی موجودہ صورتحال

ورچوئل اثاثہ جات کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ بینک اپنی مالیاتی پالیسی میں بھی مستقل مزاجی دکھا رہا ہے۔ جمیل احمد کے مطابق، سخت مالیاتی پالیسی کا مقصد افراط زر کو درمیانی مدت میں 5 تا 7 فیصد کی سطح پر مستحکم کرنا ہے۔ اس وقت شرح سود کو 22 فیصد کی بلند ترین سطح سے کم کر کے 11 فیصد کر دیا گیا ہے، جبکہ افراط زر جون 2025 میں کم ہو کر 3.2 فیصد پر آ گیا ہے، جو گزشتہ نو سال کی کم ترین شرح ہے۔ گورنر اسٹیٹ بینک نے مزید کہا کہ پاکستان اب سخت مالیاتی پالیسی کے مثبت نتائج دیکھ رہا ہے، جس میں افراط زر پر قابو اور بیرونی کھاتے میں بہتری شامل ہے۔ انہوں نے اس تاثر کو بھی رد کیا کہ پاکستان ڈالر کی کمزوری سے بری طرح متاثر ہوگا، کیونکہ ملک کا زیادہ تر غیر ملکی قرضہ ڈالر میں ہے، اور صرف 13 فیصد قرضے یورو بانڈز یا کمرشل قرضوں پر مشتمل ہیں۔

آئی ایم ایف پروگرام اور مستقبل کی سمت

پاکستان کا 7 ارب ڈالر کا آئی ایم ایف پروگرام، جو ستمبر 2027 تک جاری رہے گا، بھی درست سمت میں گامزن ہے۔ اس پروگرام کے تحت مالی پالیسی، توانائی کی قیمتوں اور زر مبادلہ مارکیٹ میں کئی اہم اصلاحات کی گئی ہیں۔ جمیل احمد نے اظہار اعتماد کیا کہ اس پروگرام کی کامیاب تکمیل کے بعد شاید پاکستان کو فوری طور پر کسی نئے آئی ایم ایف پروگرام کی ضرورت نہ پڑے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا چین سے دفاعی ساز و سامان کی درآمدات کے لیے کوئی خاص مالی منصوبہ بنایا گیا ہے، تو گورنر نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پاکستان کا ڈیجیٹل کرنسی کی طرف بڑھتا ہوا قدم نہ صرف عالمی رجحانات سے ہم آہنگی کا ثبوت ہے بلکہ یہ ملکی معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی سنجیدہ کوشش بھی ہے۔ ورچوئل اثاثہ جات کے لیے قانون سازی اور کرپٹو ریگولیٹری ادارے کا قیام ملک میں مالیاتی شفافیت، سرمایہ کاری کے مواقع اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے نئے دروازے کھول سکتا ہے۔ تاہم، اس کے ساتھ ساتھ اس ابھرتے ہوئے شعبے میں خطرات بھی کم نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت، ریگولیٹرز اور نجی شعبہ مل کر ذمہ دارانہ اور جامع حکمت عملی اختیار کریں تاکہ پاکستان ڈیجیٹل معیشت کے نئے دور میں ایک مضبوط اور پائیدار بنیاد پر داخل ہو سکے۔

Over 175K Followers on social media now shining in print too

لبوبو کی دنیا میں--

نئے جہاں کی تلاش

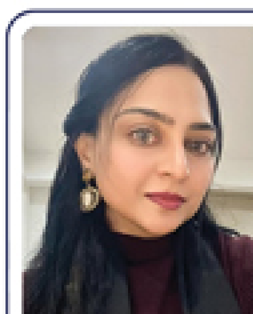

ارم زہرا (وینزو، چین)

صبح کے وقت جب شنگھائی کی گلیوں میں نرم دھند اترتی ہے اور بلند عمارتیں کسی خواب کی مانند آسمان کی آنکھوں میں گھل جاتی ہیں، تو میں اکثر سوچتی ہوں کہ ان فٹ پاتھوں پر چلتے ہوئے ہم کیا تلاش کرتے ہیں؟ کبھی کتاب، کبھی رشتہ، کبھی اپنا آپ...... اور کچھ لوگ صرف ایک کھلونا۔ جی ہاں، ایک کھلونا لبوبو۔ جسے میں نے ایک دکان میں نہیں، بلکہ ایک خاموش لڑکی کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ لڑکی میرے سامنے Pop Mart کی ایک دکان میں کھڑی تھی، اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا باکس تھا۔ وہ باکس کھولا، اور اس میں سے لبوبو برآمد ہوا۔ بڑی بڑی دانتوں والی مسکراہٹ، غیر متوازن سی ساخت، اور آنکھیں جیسے کسی درد سے بھری ہوئی ہوں۔۔ دکاندار نے بتایا "یہ لبوبو ہے، دی مون، مون فاریسٹ سے آیا ہے۔ چین اور کوریا میں بچے اس کے دیوانے ہیں۔" وہیں پہلی بار میں نے لبوبو کی کہانی سنی، ایک شرارتی، جنگلی مگر دل کا نرم کردار جو فینسی کھلونوں کی اس دنیا میں الگ پہچان رکھتا ہے۔ پھر اُس نے کہا، "یہ صرف کھلونا نہیں، ایک مکمل شخصیت ہے، جس کا ہر ورژن بچوں کے جذبات سے جڑا ہے۔" میں دیر تک کھلونے دیکھتی رہی۔ ہر ایک کے چہرے پر کوئی نہ کوئی کہانی لکھی ہوئی تھی۔ کوئی خوشی، کوئی غصہ، کوئی حیرت۔ لبوبو ہی نہیں، Skull، Dimoo،Molly Dolls Bunny Play اور Pucky،Panda جیسے کردار بھی دکان میں آراستہ تھے۔ یہ Pop Mart برانڈ کے انقلابی کھلونے تھے، جو نہ صرف بچوں بلکہ بڑے لوگوں کے دل بھی جیت چکے ہیں۔ میرے دل میں سوال آیا۔ کیا یہ کھلونا ہے؟ یا کوئی علامت؟ یا شاید آج کے انسان کا آئینہ؟ پوچھنے پر پتہ چلا، یہ گڑیا لبوبو کہلاتی ہے۔ ہانگ کانگ کے آرٹسٹ Kasing Lung کی تخلیق، جو Pop Mart کمپنی کے تحت چین بھر میں پھیلا ہے۔ یہ کوئی عام کھلونا نہیں۔ یہ "designer toy" ہے، جو blind box میں بند ہو کر بیچا جاتا ہے، یعنی آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس بار کون سا لبوبو ملے گا۔ خوش قسمتی، یا بدقسمتی دونوں خریداری میں شامل ہیں۔ میرے چینی دوستوں کا کہنا ہے کہ "لبوبو وہ چیز ہے جو ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ہم مکمل نہیں اور اسی میں ہماری خوبصورتی ہے۔" لبوبو جو ہانگ کانگ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کردار سب سے پہلے The Monsters series میں 2016 کے آس پاس متعارف ہوا۔ اس کی دنیا کا نام تھا The Monster Forest ایک تخیلاتی جنگل جہاں "غیر روایتی، غیر خوبصورت، مگر ایماندار" کردار رہتے تھے۔ لبوبو دراصل اسی جنگل کی ایک چھوٹی سی مخلوق تھا، جو شرارت پسند تھا، جنگلی تھا، مگر دل سے صاف۔ اسے شہرت Pop Mart نے دی ہے۔ چین کی ایک مشہور آرٹ ٹوائے کمپنی، جو ہر کھلونے کو ایک چھوٹی کہانی، ایک منفرد انداز، اور خاص حد تک محدود بناتی ہے تاکہ "نایابی" کا جادو برقرار رہے۔ لبوبو (Labubu) کی دنیا میں کچھ ایسے ماڈلز بھی بنائے گئے ہیں جو اتنے نایاب (rare) اور محدود تعداد میں جاری ہوئے کہ ان کی قیمتیں سن کر واقعی حیرت ہوتی ہے۔ اب تک کا سب سے مہنگا لبوبو "Labubu Crystal Ghost Limited Edition" قیمت (ریسیل مارکیٹ میں): تقریباً ¥RMB18,800, سے لے کر ¥RMB 22,000, تک (یعنی تقریباً 2600 سے 3000 امریکی ڈالر یا 8 لاکھ پاکستانی روپے سے زائد) یہ ایڈیشن اتنا نایاب ہے کہ اسے صرف خاص ایونٹس پر یا لکی ڈرا کے ذریعے ہی خریدا جا سکتا تھا، اور زیادہ تر collector-to-collector resale کے ذریعے خریدا گیا۔ دیگر مہنگے اور نایاب لبوبو ایڈیشنز

ایڈیشن اندازاً قیمت Golden Dancer Labubu ¥12000 RMB
Pop Mart 10th Anniversery میں جاری ہوا
Labubu X Skull Panda (Black Gold)" ¥ 9000 RMB مشہور Monster Series کا کراس اوور
Labubu Forest Elf Glow" edition ¥ 6500 RMB روشنی میں چمکتا ہے، محدود ریلیز
Labubu x Pokemon Cross Over ¥ 5000 RMB Pokemon کے ساتھ خاص تعاون

نوٹ یہ قیمتیں ریسیل مارکیٹ (Xianyu,Xiaohongshu,Pop Mart Collector Groups) میں رائج ہیں، اصل دکان کی قیمتیں اس سے کہیں کم ہوتی ہیں قیمت اس بات پر منحصر ہے کہ وہ edition کتنا نایاب ہے، کتنا پرانا ہے، اور مارکیٹ میں اُس وقت طلب کتنی ہے۔ میں نے اسے ہاتھ میں اٹھایا۔ کچھ دیر دیکھا۔ وہ خاموش تھا، مگر جیسے بہت کچھ کہہ رہا ہو۔ شاید "تم بھی تو لبوبو ہو، بس انسانی شکل میں۔" 2024 سے 2025 کے درمیان چین میں لبوبو کی مانگ دیوانگی کی حد تک بڑھ گئی۔ 2024 تک، لبولبو کی 60 سے زیادہ منفرد اقسام (Variants) مارکیٹ میں آ چکی ہیں اور نئے editions ہر چند ماہ بعد متعارف کروائے جاتے ہیں 2025 کا مہنگا ترین Labubu (Ultra Rare) Golden Dragon Labubu سونے 2025 Lunar Edition ماربل Finish مارکیٹ کے رنگ کا تاج، ہاتھ میں طفل اژدہا مارکیٹ پرائس: USD4000$ (تقریباً 11 لاکھ PKR)

Only 99 units worldwide لبوبو کو دنیا کے مختلف ممالک کے لباس و ثقافت میں ڈھالا گیا ہے جس میں خلیجی ممالک سرفہرست ہیں۔ عربی لباس میں Labubu ہاتھ میں لالٹین اور ستاروں سے سجا لباس بطور خاص متعارف کروایا گیا ہے۔ ان دنوں لبوبو سے وابستگی کا عالم یہ ہے کہ Pop Mart کی دکانوں میں قطاریں لگنے لگی ہیں۔ Douyin پر ہر دوسری ویڈیو لبوبو کی۔ Xiaohongshu پر "My Healing Corner with Labubu" جیسے ہیش ٹیگ وائرل ہوئے۔ اور مارکیٹ؟ وہ تو پاگل ہو گئی۔ ایک عام لبوبو باکس RMB59 میں ملتا تھا، مگر rare editions جیسے Golden 10th Anniversary" یا "Crystal Ghost Labubu" ایڈیشنز کی قیمتیں 8000 سے RMB 18000 تک جا پہنچیں۔ کچھ تو 2600 امریکی ڈالر میں نیلام ہوئے۔ بلیک مارکیٹ، ڈیجیٹل نیلامی، کولیکٹرز کی دوڑ میں سب سے آگے نظر آتے ہیں اور لڑکیوں کا یہ کہنا کہ "لبوبو میرے دل کا وہ حصہ ہے، جو کسی کو دکھایا نہیں جا سکتا مگر اسے گلے لگایا جا سکتا ہے۔" کیا یہ صرف کاروبار ہے؟ نہیں یہ ان کے مطابق آج کے تنہا دل کی ایک خاموش دعا ہے۔ اگلے دن میں نے اپنے گھر کے قریب کسی مال کے Pop Mart سٹور پر دوبارہ جانا چاہا۔ میری دوست نے بتایا کہ لبوبو کا ایک نیا ورژن آیا ہے Fairy Forest Edition"۔ میں نے قیمت پوچھی RMB 89 سے 129 یعنی پاکستانی کرنسی میں تقریباً 3500 سے 6000 روپے فی کھلونا۔ اگر Rare Edition ہو، تو قیمت 30000 روپے سے بھی اوپر جا سکتی ہے! دکاندار نے بتایا "یہ کھلونے صرف بچے نہیں خریدتے، بڑے لوگ انہیں بطور سرمایہ بھی رکھتے ہیں۔" یہ بات میرے دل میں چبھی۔ کیا بچپن کا مطلب صرف nostalgia کا بیوپار رہ گیا ہے؟ کیا اب کھلونا وہی قیمتی ہے جو مہنگا ہو، یا جو محدود ہو؟ کیا دل سے بنایا گیا رشتہ بھی اب پلاسٹک میں ڈھال دیا گیا ہے؟ چین اور کوریا میں لڑکیوں کی ایک نئی نسل لبوبو کو "ugly-cute" کہتی ہے یعنی وہ پیارا ہے کیونکہ وہ عجیب ہے۔ دنیا نے ہمیشہ بتایا کہ خوبصورتی بڑی آنکھیں، باریک ناک، یا گلابی ہونٹ ہیں۔ لبوبو نے کہا نہیں، خوبصورتی وہ ہے جو اندر کے ٹوٹے ہوئے پن کو سچائی سے دکھا دے اور شاید اسی لیے لبوبو therapy toy بن گیا۔ چین کی یونیورسٹیوں میں، دباؤ اور تنہائی میں گھری لڑکیاں لبوبو کے ساتھ تصویریں لیتی ہیں، diary لکھتی ہیں، رات کو گلے سے لگا کر سوتی ہیں۔ 2025 میں چین کے شہروں۔ بیجنگ، شنگھائی، شینزین میں Labubu Cafés کھل چکے ہیں Labubu-themed مشروبات، cupcakes، نشستیں، اور دیواروں پر لبوبو کے جملے: "تم جیسے ہو، ویسے ہی قیمتی ہو۔" Pop Mart نے ایک World Tour Mini Museum بھی لانچ کیا جس نے کوریا، جاپان، سنگاپور، اور اب یورپ تک قدم رکھ دیے۔ چین میں اب لبوبو صرف کھلونا نہیں، بلکہ identity کا اظہار ہے خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کے لیے، جو "soft but sad culture" کو اپناتی ہیں۔ ان دنوں تقریباً ہر لڑکی نے اپنے ہاتھ میں ایک ننھا سا کھلونا تھام رکھا ہے۔ بڑے بڑے کان، باہر نکلتے دانت، اور الجھی سی آنکھیں۔ وہ اس کے ساتھ ایسے تصویر بنوا رہی ہوتی ہیں جیسے کوئی محبوب چیز ہو۔ Pop Mart کی روشنیوں سے لے کر سوشل میڈیا پر لڑکیوں کی چینوں تک لبوبو ہر طرف تھا۔ شاید میں کسی اور دنیا میں آ چکی تھی۔ ایک شام جب میری چینی دوست نے کہا "چلو، تمہیں لبوبو دکھاتی ہوں!" تو میں نے دل میں کہا "بس یہی دیکھنا باقی رہ گیا ہے لیکن اس بار میں نے سوچا کہ اسے اب اپنی تحریر کا حصہ بناؤں گی" "میں دیکھ چکی ہوں اور اس کے

Over 175K Followers on social media now shining in print too

بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا ہم Pop Mart کی ایک برانچ میں داخل ہوئے۔ شیشے کے ڈبوں میں رنگ برنگی لبوبو گڑیاں سجی تھیں کوئی سونے کی، کوئی چمکدار، کوئی پری، کوئی روح۔ لڑکیاں قطار میں لگی تھیں، اور ہر ایک کے ہاتھ میں بند ڈبہ تھا جیسے قسمت کا کوئی سندیسہ کھول رہی ہوں۔ یوئن نے خوشی سے کہا، اس بار اگر 'Ghost Labubu' نکل آیا تو میں رو دوں گی۔" اور میں؟ میں خاموشی سے ان سب کو دیکھتی رہی ایک اجنبی پن کے ساتھ، جیسے کوئی اپنی زمین پر کسی اور زبان کی پکار سن رہا ہو۔ میں نے یوئن سے پوچھا،"یہ اتنا خاص کیوں ہے؟" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ لبوبو ugly ہے، لیکن سچ ہے۔ ہم سب لبوبو ہیں، تھوڑے بگڑے، تھوڑے تنہا۔ میں نے لبوبو کو ہاتھ میں لیا وہ واقعی عجیب تھا۔ معصوم بھی، مگر کسی خواب سے بچھڑا ہوا۔ مگر میرا دل اس سے نہ جڑ سکا۔ نہ اس کی خاموشی سے، نہ اس کے بکھرے پن سے۔ مجھے لبوبو میں وہ گڑیا نظر نہ آئی، جو میرے بچپن کی ساتھی تھی۔ یوئن نے لبوبو مجھے تحفہ کے طور پر دیا اور کہا یہ تمھیں ہمیشہ میری یاد دلاتا رہے گا۔ میں نے بے ساختہ کہا یوئن تم اس گڑیا سے زیادہ پیاری ہو ۔ اب جب بھی میں شاپنگ مال جاتی ہوں، تو لبوبو ہر طرف ہوتا ہے موبائل کور پر، کپ پر، جوتے کے نشان پر۔ تکیے پر، چادر پر۔ کی چین اور بالوں کی کلپ سے لے کر جیولری تک میں نظر آتا ہے کیا یہ کھلونا ہے؟ یا کوئی علامت؟ یا شاید آج کے انسان کا آئینہ؟ چین میں اب لبوبو صرف کھلونا نہیں، بلکہ identity کا اظہار ہے خاص طور پر نوجوان لڑکیوں کے لیے، جو "soft but sad" culture کو اپناتی ہیں۔ لبوبو شاید آج کی نسل کا سچ ہے، مگر وہ میرے خواب کا ساتھی نہیں۔ اور شاید ہر سفر میں ایک راستہ ایسا بھی ہوتا ہے جو سب کے لیے ہو، مگر آپ کے لیے نہیں۔ ان دنوں چین سے اُڑ کر یہ گڑیا جب پاکستان کی زمین پر اُتری، تو اس کے کانوں کی لمبائی، دانتوں کی بے ترتیبی اور آنکھوں کی بھٹکی ہوئی معصومیت نے ہر نظر میں سوال بو دیے۔ کچھ نے کہا "واہ! کیوٹ ہے، یونیک ہے!" اور کچھ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے فرمایا "یہ ہے کیا؟ خوفناک سی لگتی ہے۔" یہ گڑیا نہیں، جیسے دل کے ذائقے کا امتحان تھی۔ کراچی کی کسی فینسی شاپ میں، یا لاہور کے کسی جدید بوتیک کے گوشے میں لبوبو اب دکھائی دینے لگی ہے۔ وہ نوجوان لڑکیاں، جنہوں نے کبھی باربی کی چمک دیکھی تھی، اب لبوبو کے خاکی چہرے سے اپنے آپ کو جوڑنے لگی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کیا واقعی یہ "پسند" ہے؟ یا ایک رجحان؟ یا وہ خلاء جو کسی سچی بات کے بجائے کسی عجیب شئے سے پُر ہو رہا ہے؟ اسلام آباد سے ایک ویلاگر لڑکی کہتی ہے لبوبو مجھے میرے anxiety attacks سے نکالتا ہے۔ میں اسے دیکھتی ہوں اور ہنستی ہوں کیونکہ وہ میرے جیسا ہے تھوڑا بکھرا، تھوڑا تنہا اور اسی شہر کی ایک اور لڑکی نے کہا مجھے ڈر لگتا ہے اس کھلونے سے۔ جیسے کوئی آپ کو دیکھ رہا ہو، پر ہنس بھی رہا ہو۔" لبوبو کی مقبولیت صرف جمالیات پر مبنی نہیں، ذہن کے حال پر مبنی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا کی مکمل شکلوں سے تھک چکے ہیں، وہ اس ادھورے کھلونے کو اپنا عکس سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں لبوبو کی قیمت عام طور پر 3500 سے 7000 روپے کے درمیان ہے، لیکن اگر کوئی rare edition ہو، تو قیمت 15000 روپے سے بھی اوپر چلی جاتی ہے۔ مگر خریدنے والے اب بھی ایک مخصوص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں زیادہ تر شہری، اپر مڈل کلاس لڑکیاں، یا سوشل میڈیا انفلوئنسرز ہیں۔۔ باقی لوگ، جن کی دنیا میں آج بھی "پیارے کھلونوں" کی جگہ ہے، وہ لبوبو کو دیکھ کر سر جھٹک دیتے ہیں۔ کیا ہم واقعی اس کھلونے سے جڑتے ہیں؟ یا سوشل میڈیا نے ہمیں قائل کر لیا ہے کہ ہمیں اس سے جڑنا چاہیے؟ کیا لبوبو واقعی ہماری اندرونی حقیقت ہے یا بس ایک چینی برانڈ کی کامیاب پیشکش؟ یہ سوال کھلا ہے۔ مگر یہ طے ہے کہ لبوبو ایک عہد کی علامت بن چکا ہے۔ ایک ایسا کھلونا جو ہمیں اپنے آپ سے سوال کرواتا ہے "ہم کتنے مکمل ہیں؟ اور اگر نہیں، تو کیا ہم خود کو قبول کرتے ہیں؟" پاکستان کی سرزمین پر جب چین کی گڑیا "لبوبو" نے قدم رکھا، تو کچھ آنکھیں چمکیں، کچھ لب مسکرائے، اور کچھ دل دھڑک اٹھے تیزی سے پاکستانی سوشل میڈیا پر اس کی خبریں گردش کرنے لگیں مگر کچھ نگاہیں جھک گئیں، اور کچھ دلوں نے کراہ کر سوال اٹھایا" کیا یہ ہمارے بچوں کے لیے ہے؟" اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے تزکیۂ نفس، طہارتِ نظر اور حسنِ اخلاق کو زندگی کی بنیاد بنایا ہے۔ ہر شے جو دل کو غیر فطری خوف، الجھن یا فتنہ میں ڈالے، اس پر قرآن اور سنت خاموش نہیں۔ لبوبو کی شکل وصورت بڑی بڑی

کانیں، باہر نکلتے دانت، اور کسی حد تک "جناتی" یا "ماورائی" تاثر جب معصوم بچوں کے کمزور دل و دماغ سے ٹکراتی ہے، تو روحانی ماؤں اور علما کے لیے سوال بنتی ہے" کیا یہ کھیل ہے یا شعور کی تشکیل کا ایک نیا سانچہ؟" اسلامی فقہ میں تصویری شکلوں، خاص طور پر ایسی شکلوں کا بنانا یا رکھنا جو جانداروں کی ہو اور غیر ضروری ہو، ہمیشہ ناپسندیدہ رہا ہے۔ لبوبو کی موجودہ شکل جسے کچھ علماء "creepy" اور "jin-like" قرار دیتے ہیں اسلامی معاشرت میں ایک نرم فتنہ کی مانند ابھری ہے۔ نہ بالکل حرام کہ دیا جائے، نہ مکمل حلال۔ حالیہ مہینوں میں کئی پاکستانی والدین نے مساجد میں علماء سے استفسار کیا" کیا یہ کھلونا گھر میں رکھنا جائز ہے؟" کیا بچے کے کمرے میں اس جیسی شکل والا کھلونا رکھنا روحانی اثر ڈال سکتا ہے؟" علماء کا عمومی رجحان یہ ہے کہ اگر کوئی کھلونا خوف، بدصورتی، یا غیر شرعی تصور کو فروغ دے رہا ہو، اگر وہ بچے کو جناتی، شیطانی، یا ماورائی اشکال سے مانوس کر رہا ہو اور اگر وہ معصوم ذہن کو حقیقی جمالیات سے ہٹا رہا ہو، تو وہ کھلونا ناپسندیدہ (مکروہ) اور بعض اوقات روحانی ضرر کا باعث ہو سکتا ہے۔ اسلامی ذہن رکھنے والے والدین لبوبو کو صرف ایک کھلونا نہیں، ثقافتی اثر سمجھتے ہیں جو باہر سے آ رہا ہے، مگر اندر کے نظریات کو چپ چاپ بدل رہا ہے۔ جہاں اسلام ہمیں روشنی، توازن، جمال اور فطرت کی طرف بلاتا ہے، وہاں لبوبو جیسی مخلوق ابہام، بے چینی اور غیر فطری جمالیات کی نمائندہ بن رہی ہے۔ لبوبو کی کہانی ابھی نئی ہے، مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ سوال پرانا ہے "کیا ہر وہ شے جو مقبول ہو، مفید بھی ہوتی ہے؟" شاید نہیں اور شاید ہر ماں کے دل میں ایک چھوٹا سا مفتی چھپا ہوتا ہے۔ جو کہتا ہے "یہ نہیں، بیٹا، یہ نہیں......" اس موضوع پر مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ پاکستان میں کئی دینی علماء اور مفتیان کرام نے جدید، "خیالی مگر خوفناک" کھلونوں کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے۔

1. چہرہ بگاڑنے والے کھلونے: شریعت میں ایسی اشیاء کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے جو تخلیقِ الٰہی کا مذاق اڑائیں یا ایسی مخلوق کی شبیہ بنائیں جو شیطانی یا جناتی ہو۔ لبولبو کے دانت، اس کی عجیب سی آنکھیں، اور اُس کی wild سی جسمانی ساخت اکثر والدین کو غیر مناسب لگتی ہے۔

2. روحانی اثرات: علماء کی رائے میں ایسے کردار جو خوف اور غیر معمولی صفات رکھتے ہوں، بچوں کی روحانی نشوونما پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں۔ ایک دینی اسکالر نے یوٹیوب پر تبصرہ کیا: "بچوں کو جنوں، آسیب، اور دیو کی مخلوقات سے مانوس کرنا اُن کے فطری امن کو متاثر کرتا ہے۔"

3. مغرب زدگی اور ثقافتی یلغار: کئی اسلامی اسکالرز کا ماننا ہے کہ یہ کھلونے صرف ظاہری شکل میں ہی عجیب نہیں، بلکہ تہذیبی حملے کا خاموش ہتھیار ہیں۔ یہ ہمارے بچوں کو اُن کہانیوں سے دور کر رہے ہیں جن میں حضرت لقمان کی دانائی، اصحاب کہف کی وفاداری، یا حضرت یوسف کی پاکیزگی کا سبق پاکستان میں زیادہ تر دکان داروں نے بتایا کہ لبولبو جیسے غیر ملکی کھلونے ابھی نایاب ہیں، اور اگر آتے بھی ہیں تو زیادہ تر نوجوان کالج یا یونیورسٹی کے طلبہ انہیں بطور 'collectibles' خریدتے ہیں۔ شاید لبولبو صرف کھلونا نہیں ایک نظریہ ہے۔ ایسا نظریہ جو آزادی کا، انفرادیت کا، اور فنکارانہ سوچ کا دعویٰ کرتا ہے مگر ہمارے معاشرے کے اسلامی مزاج میں اسے "خودسری"، "بے خوفی"، اور "نرم شر" کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ پاکستانی والدین کا خدشہ یہ نہیں کہ بچہ کھلونا دیکھ کر روئے گا بلکہ یہ ہے کہ کہیں وہ اُس کردار کو "آئیڈیل" نہ سمجھ لے۔ کہیں وہ دانت نکالتے ہوئے شرارتی لبولبو میں "مظلومیت" یا "ہمدردی" تلاش نہ کرے اور کہیں یہ سب اُس کے دل سے اللہ کے ڈر، حیاء اور ادب کو کم نہ کر دے۔ چین کی شامیں بھی عجیب ہوتی ہیں آسمان پر سورج دیر تک رُکنے کی ضد کرتا ہے، جیسے کسی بچے کی ضد ہو کہ کھیل ابھی ختم نہ ہو۔ میرے ہاتھ میں یوئین کا دیا تحفہ لبوبو تھا جو اپنے دانت نکالے، اپنی مخصوص شرارتی مسکراہٹ لیے جیسے مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے اُسے میز پر رکھا، اور خود اپنے خیالات کے جنگل میں نکل گئی۔ میرے وطن میں ایسا کیوں نہیں؟ دل میں ایک سوال اُبھرا" کیا کبھی میرے پاکستان میں بھی ایسے کھلونے ہوں گے؟ ایسے کردار، جو صرف دلچسپ نہ ہوں بلکہ سبق آموز بھی ہوں؟" میرے ذہن میں ایک تصور بننے لگا۔ ایک چھوٹا سا کھلونا، جس نے سفید دوپٹہ اوڑھا ہو، ہاتھ میں تسبیح ہو، چہرے پر سکون ہو یا ایک ننھا مجاہد، جو بچوں کو جھوٹ سے دور رکھے، سچائی کا راستہ دکھائے۔ میں نے لبولبو کی طرف دیکھا وہ مجھے بالکل غیر مانوس لگا۔ نہ اُس میں وہ پاکیزگی تھی، نہ وہ سادگی، نہ وہ نور جو میری تہذیب میں بچپن سے پروان چڑھا۔ کھلونوں سے تربیت؟ کیا یہ ممکن ہے؟ چینی بچوں کو دیکھتی ہوں لبولبو، مولی، ڈیمو، ہر ایک کے ساتھ وہ جڑ جاتے ہیں جیسے دوست ہو۔ کیا یہ محض کھلونے ہیں؟ نہیں...... یہ دراصل کردار سازی کے خاموش ہتھیار ہیں۔ تو پھر ہم کیوں خاموش ہیں؟ ہمارے بچے کیوں صرف Barbie، Batman یا اب لبولبو سے مانوس ہیں؟ کہاں ہیں وہ کھلونے جو حضرت علیؓ کی دانائی، حضرت فاطمہؓ کی شفقت، یا امام حسینؓ کی قربانی کا تصور دیں؟ میری آنکھوں کے سامنے ایک مکمل منظر کھلنے لگا ایک چھوٹا سا کھلونا بازار ہے۔ کراچی، لاہور یا سوات کی کسی گلی میں۔ دکان کی الماری میں گڑیا ہے مشرقی لباس میں جو سر پر دوپٹہ لیے بیٹھی ہے۔ ایک گڈا ہے جو پگڑی باندھے بچوں کو سلام سکھاتا ہے۔ ایک اور کھلونا ہے جو درخت لگا رہا ہے، ساتھ ہی ایک تختی: "زمین اللہ کی امانت ہے۔" کاش! میں نے دل میں کہا کاش یہ خواب حقیقت بنے۔ یہ سوال بھی ذہن میں آیا کہ کیا فن اسلامی ہو سکتا ہے؟ کیا ایک کھلونا، جو دل کو لبھائے، نظر کو بھائے، مگر ساتھ ہی دل کو سیدھی راہ دکھائے، ممکن ہے؟ چین میں بیٹھ کر بھی مجھے پاکستان کی گلیاں، مدارس کی رونق، اور امی کی سنائی ہوئی وہ کہانیاں یاد آ رہی تھیں "حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں"، "اصحاب کہف کی نیند" واقعہ کربلا"، "حضرت خدیجہؓ کا سچا کاروبار" یہ سب وہ کردار تھے جو ہمارے دل کے کھلونے تھے۔ مگر آج کے بچوں کے ہاتھ میں کیا ہے؟ ایک دانت نکالتا لبولبو؟ یا ایک Barbie جو حیا سے خالی ہے؟ یا ایک Superhero جو طاقتور تو ہے، مگر اطاعت گزار نہیں؟ میں نے فیصلہ کیا شاید میرے ہاتھ میں لکڑی، پلاسٹک یا کاروبار کا ہنر نہیں۔ مگر میرے پاس قلم ہے، خواب ہے، اور دعا ہے۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا شخص اٹھے۔ جو کھلونوں کو صرف "کھیل" نہ سمجھے، بلکہ تربیت کا چراغ بنائے۔ جو بچوں کے لیے وہ کردار بنائے جنہیں دیکھ کر وہ محبت، سچ، حیا، قربانی اور دعا سیکھیں۔ میں نے لبولبو کو آہستہ سے الماری کے خانے میں رکھ دیا۔ نہ نفرت سے، نہ غصے سے بس ایک نرمی سے، جیسے کسی خواب کو "خیر باد" کہنا ہو۔ اور ایک نئی ڈائری کھولی اور پہلے صفحے پر لکھا "ایک دن ایسا کھلونا ہوگا جو بچوں کو صرف ہنسائے گا نہیں بلکہ اُنہیں اللہ کے قریب لے جائے گا......

برانڈ فاونڈیشن کے سی ای او شیخ راشد عالم کی دعوت آم، طعام اور کلام

برانڈ فاونڈیشن کے سی ای او شیخ راشد عالم کی دعوت آم، طعام اور کلام میں دائیں سے جیا ناصر، ہما بخاری، غازی صلاح الدین میزبان شیخ راشد عالم، حاجی حنیف، امتیاز خان فاران، حنیف عابد اور نشید آفاقی کا گروپ فوٹو

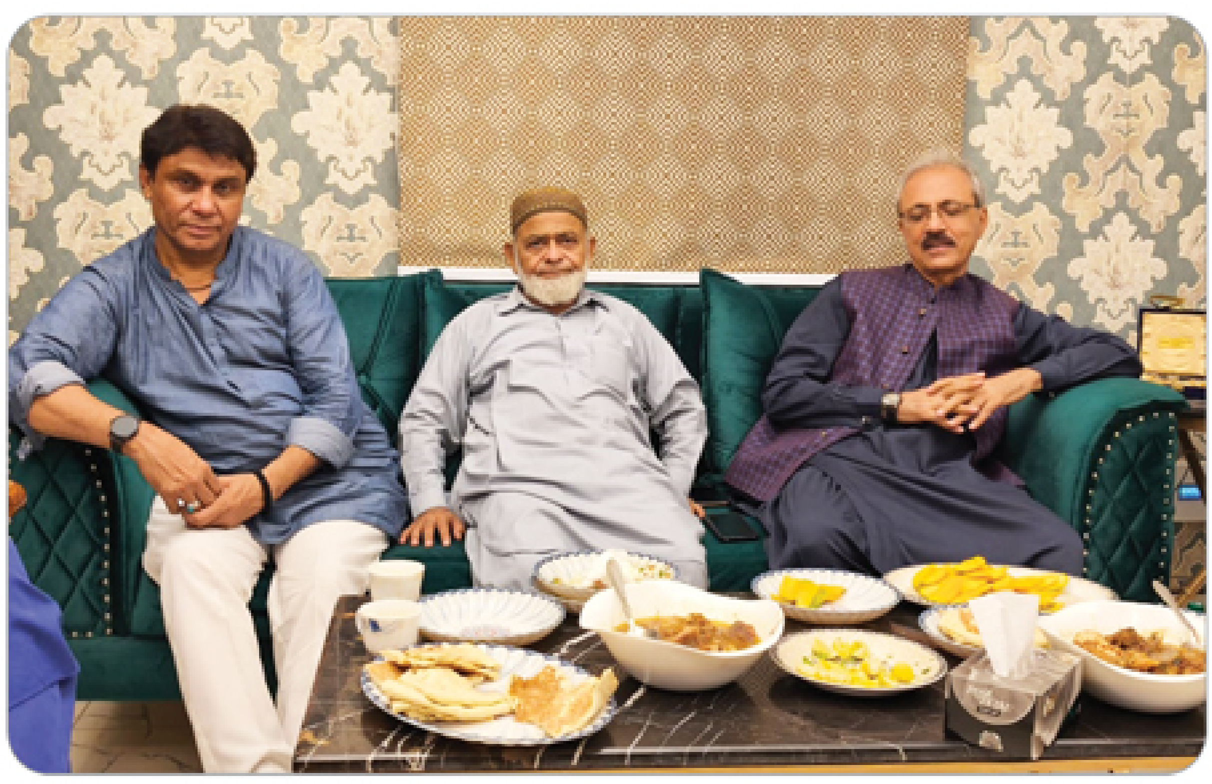

Over 175K Followers on social media now shining in print too

جہانِ امریکا

حمیرا گل تشنہ

امریکی ریاست ٹیکساس میں تاریخ کی بدترین سیلابی صورتحال

امریکی ریاست ٹیکساس اس وقت تاریخ کے بدترین سیلابی حالات سے گزر رہی ہے جہاں طوفانی بارشوں اور سیلاب کے نتیجے میں اب تک 128 سے زائد افراد جاں بحق ہو چکے ہیں جبکہ 160 سے زیادہ لاپتہ ہیں۔ یہ سانحہ خصوصاً کیر کاؤنٹی میں سب سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا جہاں 103 ہلاکتیں ریکارڈ کی گئیں۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے متاثرہ علاقوں کو آفت زدہ قرار دے دیا ہے اور وفاقی سطح پر امدادی کارروائیاں تیز کر دی گئی ہیں۔ موجودہ سیلاب نے ٹیکساس ہل کنٹری کو خاص طور پر متاثر کیا ہے جہاں گواڈالوپے دریا نے اپنے کناروں کو توڑتے ہوئے ریکارڈ بلندی تک پانی کی سطح بڑھا دی۔ صرف 4 جولائی کی رات کو، کیروِیل میں گواڈالوپے دریا کی سطح 35 فٹ تک بلند ہو گئی۔ یہ سیلاب اب تک ٹیکساس کی تاریخ کا دوسرا سب سے مہلک سیلاب قرار دیا جا رہا ہے۔ ہلاکتوں میں خاص طور پر ایک سمر کیمپ (کیمپ مسٹک) کے 27 کیمپرز اور کونسلرز شامل ہیں جو دریا کے کنارے واقع تھا۔ مختلف ذرائع کے مطابق ہلاکتوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے - کچھ رپورٹس میں 80، کچھ میں 91، تو کچھ میں 108، 119 اور 120 تک ہلاکتیں بتائی گئی ہیں۔ سرکاری طور پر اب تک 128 ہلاکتوں کی تصدیق ہو چکی ہے۔ لاپتہ افراد کی تعداد کے حوالے سے بھی مختلف اعداد و شمار سامنے آئے ہیں۔ کچھ رپورٹس میں 41، تو کچھ میں 172 لاپتہ افراد کا ذکر ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اب تک 160 افراد لاپتہ ہیں۔ ریسکیو ٹیموں نے ساڑھے آٹھ سو سے زائد افراد کو محفوظ طریقے سے نکال لیا ہے۔ بچاؤ کارروائیوں میں مقامی، ریاستی اور وفاقی ادارے شامل ہیں جنہوں نے ہیلی کاپٹرز، کشتیوں اور ڈرونز کا استعمال کرتے ہوئے متاثرین کو نکالا۔ ناسا نے بھی فضائی نگرانی کے لیے جدید طیارے تعینات کیے ہیں۔ تاہم، گزشتہ ہفتے کے بعد سے اب تک کوئی زندہ بچ جانے والا نہیں ملا۔ سیلاب نے 12,000 سے زائد مکانات کو نقصان پہنچایا ہے۔ متاثرہ علاقوں میں مکانات اور گاڑیاں پانی میں ڈوب گئی ہیں، درخت گرنے سے راستے بند ہو گئے ہیں۔ کیر کاؤنٹی میں صورتحال سب سے زیادہ سنگین ہے جہاں 68 سے 96 تک ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ فیما (FEMA) کے تخمینے کے مطابق گھر میں صرف ایک انچ سیلاب کا پانی بھی چھبیس ہزار آٹھ سو سات ڈالر $26,807 کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ چونکہ ٹیکساس میں صرف 7 فیصد رہائشی املاک کے پاس سیلاب کا انشورنس ہے، اس لیے مالی نقصانات کا ازالہ مشکل ہو گا۔ محکمہ موسمیات نے وسطی ٹیکساس میں آئندہ دنوں میں مزید بارشوں کی پیش گوئی کی ہے جس سے صورتحال مزید سنگین ہو سکتی ہے۔ ایکیوا ویدر کے مطابق، شمالی اور وسطی ٹیکساس کے کچھ حصوں میں 14 انچ تک بارش ہو سکتی ہے۔ زمین پہلے ہی سیلاب سے سیراب ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے مزید بارشیں صورتحال کو مزید خراب کر سکتی ہیں۔ موسمیات دانوں نے متنبہ کیا ہے کہ آہستہ رفتار طوفان مختصر وقت میں کئی انچ بارش برسا سکتے ہیں۔ صدر ٹرمپ نے کیر کاؤنٹی کو آفت زدہ علاقہ قرار دے دیا ہے تاکہ امدادی کاموں میں تیزی لائی جا سکے۔ وائٹ ہاؤس کی ترجمان کیرولائن لیویٹ نے کہا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ مقامی حکومتوں کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہے۔

ریاستی گورنر گریگ ایبٹ نے ہنگامی صورتحال کے پیش نظر اسمبلی کا خصوصی اجلاس طلب کر لیا ہے۔ اس اجلاس میں سیلاب سے تحفظ، ابتدائی وارننگ سسٹم، اور متاثرہ علاقوں کے لیے مالی امداد جیسے اقدامات پر غور کیا جائے گا۔ ٹیکساس میں سیلاب کوئی نئی بات نہیں۔ 1921 میں ولیمسن کاؤنٹی کے شہر تھرال نے 18 گھنٹوں میں 36 انچ بارش ریکارڈ کی تھی جو آج تک ایک قومی ریکارڈ ہے۔ 1957 کے موسم بہار میں ہونے والی بارشوں نے ریاست گیر خشک سالی کو ختم کیا لیکن ساتھ ہی سیلاب بھی لایا۔ 1998 میں، جنوبی وسطی ٹیکساس میں دو دنوں میں 30 انچ بارش ہوئی جس سے سان مارکوس، گواڈالوپے اور سان انٹونیو دریاؤں کے کنارے تاریخی سیلاب آیا۔ 2017 میں ہریکین ہاروی نے 8 دنوں میں 60 انچ بارش برسائی جس سے راکپورٹ سے اورنج تک کے رہائشیوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹیکساس ہل کنٹری کی خوبصورت پہاڑیاں، متعدد دریاؤں اور چٹانی خطہ جو ماہی گیری اور ستاروں کے نیچے کیمپنگ کے لیے مثالی ہے، یہی اسے ملک کے سب سے زیادہ سیلاب زدہ علاقوں میں سے ایک بناتا ہے۔ بالکونز اسکارپمنٹ، جو وسطی ٹیکساس میں ایک اہم جغرافیائی خصوصیت ہے، اس علاقے میں ڈرامائی نظارے اور بلندی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ طوفانوں کو روک کر بھاری بارش برسانے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

جب طوفان آتے ہیں تو پانی تیزی سے نیچے کی طرف بہتا ہے، جیسے جیسے یہ حرکت کرتا ہے رفتار اور قوت حاصل کرتا جاتا ہے۔ اسے روکنے کے لیے بہت کم چیزیں موجود ہیں۔ پتلی، چٹانی مٹی زیادہ پانی جذب نہیں کرتی، اور کھلی چٹانیں اور کم پودے کوئی بفر فراہم نہیں کرتے۔

اس زیادہ تعداد میں ہلاکتوں نے سوالات اٹھائے ہیں کہ کیا موسمیات دانوں یا ہنگامی ردعمل کے ذمہ دار مقامی اہلکاروں نے علاقے کے لوگوں کو مناسب انتباہ دیا تھا۔ تباہی سے پہلے، نیشنل ویدر سروس نے جمعرات کی دوپہر کیر کاؤنٹی کے لیے سیلاب کی نگرانی کا اعلان کیا تھا۔ 14:1 بجے صبح، وفاقی موسمیات دانوں نے اس اعلان کو سیلاب کے انتباہ میں تبدیل کر دیا، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ سیلاب ہو رہا ہے یا قریب ہے۔ یہ اس علاقے میں کم بلند پانی کے عبور سے سیلاب کی پہلی رپورٹس سے تین گھنٹے 21 منٹ پہلے بھیجا گیا تھا۔ مقامی حکام نے واضح جوابات فراہم نہیں کیے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ ان کی توجہ تلاش اور بچاؤ کی کوششوں پر مرکوز ہے۔ کیرویل کے میئر نے کہا کہ وہ صبح تقریباً ساڑھے پانچ 30:5 بجے سیلاب کے بارے میں جان پائے، اس پہلے انتباہ کے چار گھنٹے سے زیادہ بعد، جب سٹی مینیجر نے انہیں فون کیا اور جگایا۔ ریاستی رہنما اب سائرن، سیلاب کے گیج اور تخفیف کی کوششوں میں اضافے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ گورنر گریگ ایبٹ نے خصوصی قانون سازی کا اجلاس بلایا ہے جس میں درج ذیل اقدامات پر قانون سازی کی جائے گی:

- سیلاب انتباہی نظام
- سیلاب ہنگامی مواصلات
- قدرتی آفات کی تیاری اور بحالی
- متاثرہ علاقوں کے لیے امدادی فنڈز

یہ سانحہ ٹینیا پاول جیسے خاندانوں کو سوگوار چھوڑ گیا ہے۔ ان کی 21 سالہ بیٹی ایلا روز کاہل کا جسم منگل کو ملا تھا۔

"یہ ایک راحت بخش، خوش، اداس، خوفناک، حیرت انگیز خبر کی طرح تھا۔ میرا مطلب ہے، میں اسے بیان بھی نہیں کر سکتی، کیونکہ آپ اس لیے خوش ہیں کہ وہ ابھی تک کہیں باہر نہیں ہے،" پاول نے کہا۔ "لیکن اسی وقت، یہ ایک آخری لمحہ ہے۔"

دوسرے، جیسے ایلا کے بوائے فرینڈ ایڈن ہارٹ فیلڈ کے والد، ملبے اور گدلے پانیوں میں تلاش جاری رکھے ہوئے ہیں، چاہے زندہ بچ جانے والے کو تلاش کرنے کی امیدیں مدھم ہو چکی ہوں۔ مقامی حکام کا کہنا ہے کہ انہوں نے گزشتہ ہفتے کے بعد سے کوئی زندہ بچاؤ نہیں کیا ہے۔ ٹیکساس میں موجودہ سیلابی صورتحال ایک المناک انسانی المیہ ہے جو ریاست کی تاریخ کے بدترین سیلابوں میں سے ایک کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ جب کہ فوری طور پر امدادی کوششیں جاری ہیں، طویل مدتی حل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ریاست کی آبادی میں اضافہ، سیلاب زدہ زمین کی سستی اپیل اور انتہائی موسمی حالات اسے ایک فوری تشویش بناتے ہیں۔ ریاست کی ایک چوتھائی زمین کسی نہ کسی درجے کے شدید سیلاب کے خطرے سے دوچار ہے، جس سے اندازاً 50 لاکھ ٹیکساس کے شہری ممکنہ خطرے میں ہیں۔ مستقبل میں ایسے سانحات سے بچنے کے لیے مضبوط انتباہی نظام، بہتر منصوبہ بندی اور عوامی بیداری انتہائی ضروری ہیں۔ اس وقت، ٹیکساس کے عوام کو یکجہتی، ہمدردی اور عملی مدد کی ضرورت ہے۔ ریڈ کراس، سیلویشن آرمی اور کیر کاؤنٹی فلڈ ریلیف فنڈ جیسے اداروں کے ذریعے عطیات دیے جا سکتے ہیں۔ یہ المیہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ فطرت کی طاقت کے سامنے انسانی ترقی کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود ہم اب بھی کس قدر بے بس اور کمزور ہیں۔

Over 175K Followers on social media now shining in print too

بیوروکریٹس کے لیے مالی فوائد حاصل کرنے کا لامحدود راستہ کھول دیا گیا

کنزیومر واچ رپورٹ

حکومت نے گزشتہ روز سینئر بیوروکریٹس کے لیے مالی فوائد حاصل کرنے کا تقریباً لامحدود راستہ کھول دیا، جب کہ بیک وقت انہی اداروں پر کفایت شعاری کے اقدامات نافذ کر دیے۔ رپورٹ کے مطابق وزارتِ خزانہ نے ایک اعلامیے میں کہا ہے کہ 10 جولائی 2014 کو جاری ہونے والا وہ حکم نامہ جس میں کارپوریٹ اداروں کے بورڈ اجلاسوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو سالانہ 10 لاکھ روپے تک محدود کیا گیا تھا، ابتدائی طور پر واپس لے لیا گیا ہے، یعنی یوں سمجھا جائے کہ وہ نوٹیفکیشن کبھی جاری ہی نہیں ہوا۔12 جون 2024 کو جاری ہونے والے نئے حکم نامے میں (جو وفاقی کابینہ کی منظوری سے جاری کیا گیا تھا) کہا گیا تھا کہ جو سرکاری ملازمین کمپنیوں/تنظیموں کے بورڈ میں تعینات ہوتے ہیں اور فیس کے حق دار بنتے ہیں، وہ مالی سال میں زیادہ سے زیادہ 10 لاکھ روپے تک معاوضہ لینے کے مجاز ہوں گے۔اس سے زائد رقم حاصل ہونے کی صورت میں افسر کو وہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرانی ہوتی تھی۔ بورڈ میٹنگ فیس پر حد مقرر کرنے کا فیصلہ سب سے پہلے تقریباً ایک دہائی قبل اُس وقت کے وزیرِ خزانہ اسحٰق ڈار نے کیا تھا۔ یہ حکم چند سال تک نافذ رہا اور پھر نظر انداز کر دیا گیا، اسے گزشتہ سال واضح طور پر دہرایا گیا تھا، لیکن اب اسے 'ابتدائی طور پر واپس' لے لیا گیا ہے، یعنی مالی سال 2024-25 کے دوران حاصل کی گئی رقوم کو ان افسران کی قانونی آمدنی تصور کیا جائے گا۔وزارتِ خزانہ نے ایک اور اعلامیہ جاری کیا جس میں کفایت شعاری کے اقدامات کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا، جنہیں اب وفاقی حکومت کے ماتحت اداروں، سرکاری کاروباری اداروں (ایس او ایز) اور قانونی و ریگولیٹری اداروں تک بھی توسیع دے دی گئی ہے۔سرکاری کاروباری اداروں کے بارے میں اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ یہ کفایت شعاری کے اقدامات وفاقی حکومت کی طرف سے ایس او ایز (گورننس و آپریشنز) ایکٹ 2023 کی دفعہ 35 کے تحت ہدایت سمجھے جائیں گے اور قانونی اداروں کے لیے اُن کے اپنے قوانین کے متعلقہ سیکشنز کے تحت لاگو ہوں گے۔ان پابندیوں میں ہر قسم کی گاڑیوں کی خریداری پر مکمل پابندی شامل ہے،اس کے علاوہ نئے عہدوں کی تخلیق، بیرون ملک علاج اور سرکاری خرچ پر غیر ضروری غیر ملکی دوروں پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔علاوہ ازیں، وزارت نے تمام سول پنشنرز (جن میں وفاقی بجٹ سے تنخواہ پانے والے سویلین، ریٹائرڈ مسلح افواج کے اہلکار اور سول آرمڈ فورسز کے ریٹائرڈ اہلکار شامل ہیں) کی خالص پنشن میں 7 فیصد اضافے کا بھی اعلان کیا ہے۔

ملک میں سالانہ 250 ارب روپے کی بجلی چوری ہو رہی ہے، اویس لغاری

کنزیومر واچ رپورٹ

وفاقی وزیر توانائی اویس لغاری نے قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے توانائی کو آگاہ کیا ہے کہ سالانہ 250 ارب روپے کی بجلی چوری ہو رہی ہے، کے الیکٹرک نیشنل گرڈ سے 600 میگاواٹ تک بجلی لے سکتی ہے، اقدام سے کے الیکٹرک کے پاس 2 ہزار میگاواٹ بجلی ہو جائے گی۔

رپورٹ کے مطابق رکن قومی اسمبلی محمد ادریس کی زیر صدارت قائمہ کمیٹی برائے پاور کا اجلاس ہوا، حیدرآباد الیکٹرک سپلائی کمپنی (حیسکو) کے حکام نے بتایا کہ اگر جامشورو میں فالٹ آئے تو پورا حیسکو بلیک آؤٹ میں چلا جاتا ہے، جامشورو گرڈ میں فالٹ کا مطلب 13 شہروں کا بجلی سے محروم ہونا ہے۔وفاقی وزیر توانائی نے کہا کہ جامشورو گرڈ بھی تب بلیک آؤٹ میں جاتا ہے جب نیشنل بلیک آؤٹ ہو، مجھے یاد نہیں کہ جامشورو گرڈ میں الگ سے کوئی فالٹ آیا ہو۔حیسکو کے حکام نے کہا کہ ماضی میں بھی جامشورو گرڈ میں فالٹ آیا تھا جس سے پورا حیسکو متاثر ہوا، اس لیے ہم نے متبادل گرڈ اسٹیشن کے لیے درخواست کی ہے، ہم چاہتے ہیں حیسکو کو 220 کے وی کا متبادل گرڈ اسٹیشن دیا جائے، حیسکو کو متبادل گرڈ مٹیاری اور نواب شاہ سے دیے جا سکتے ہیں۔ کمیٹی کے رکن سید وسیم حسین نے کہا کہ جامشورو گرڈ میں فالٹ آنے سے پورا کراچی بھی متاثر ہوتا ہے۔وفاقی وزیر برائے توانائی نے کہا کہ جامشورو گرڈ کا کے الیکٹرک کے ساتھ تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے، کے الیکٹرک کا بجلی کا سارا نظام بالکل الگ ہے۔ اویس لغاری نے کہا کہ کے الیکٹرک اب نیشنل گرڈ سے 600 میگاواٹ تک بجلی لے سکتی ہے، اس سے کے الیکٹرک کے پاس 2 ہزار میگاواٹ بجلی ہو جائے گی، متبادل گرڈ کی ضرورت کے حوالے سے پہلے ہم ایک رپورٹ تیار کروا لیتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ہم اس سے پہلے ایک اتھارٹی کا رول کیسے ادا کر سکتے ہیں، میرے لیے کنکشن دینا آسان ہے، اس سے بجلی زیادہ استعمال ہوگی، زیادہ بجلی استعمال ہوگی تو بجلی کے ریٹ کم ہو جائیں گے، بجلی کی قیمت اس لیے ہی زیادہ ہے کیوں کہ بجلی کا استعمال کم ہے۔

رانا سکندر حیات نے کہا کہ اس لیے سوسائٹیوں میں کنکشن دیں تا کہ استعمال بڑھے۔

اویس لغاری نے کہا کہ یہ بجلی کے محکمے کا تو فائدہ ہے، لیکن قومی نقصان ہے، اتھارٹیز سے ڈیمانڈ نوٹس بھجوا دیں ہم کنکشن لگا دیں گے، 500 ارب کی بجلی چوری نہیں ہے، بجلی چوری 250 ارب سالانہ ہے۔ رانا سکندر حیات نے کہا کہ باقی بلوں میں ریکور نہ ہونے والی رقم ہے، ملک انور تاج نے کہا کہ 200 یونٹ اور 201 یونٹ کا معاملہ آج کل لوگوں میں زیر بحث ہے، انہوں نے 200 اور 201 یونٹ پر بلوں میں فرق کا ایجنڈا شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔کمیٹی کے رکن ملک انور تاج نے کہا کہ ایجنڈا شامل کیا جائے کہ ایک یونٹ کے فرق پر بل اتنا کیوں بڑھ جاتا ہے؟

'گولڈ ڈگرز' محض ایک گیم یا خواتین کو بدنام کرنے کا نیا ہتھیار؟

بی بی سی رپورٹ

'یہ کسی کتے سے بھی زیادہ فرمانبردار ہے۔۔۔ کاش ایسے ہی اور بے وقوف آجائیں۔'

یہ بات ایک نئے ویڈیو گیم میں ایک خاتون شیخی بگھارتے ہوئے کہتی ہیں، جس نے چین میں صنفی تعصب پر ایک نئی بحث کو جنم دیا۔

لائیو ایکشن گیم 'ریونج آن گولڈ ڈگرز' میں مرد کھلاڑی ایسے کردار کردار ادا کرتے ہیں جو چالاک عورتوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور وہ ان کے پیسے کے پیچھے ہوتی ہیں اور مرد کا ردِعمل کہانی کا رخ طے کرتا ہے۔

یہ گیم جون میں ریلیز ہوتے ہی چند گھنٹوں میں گیمنگ پلیٹ فارم اسٹیم کی سیلز لسٹ میں سرفہرست آ گئی لیکن اس کے فوراً بعد اس سے متعلق تنازع بھی کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے اسے خواتین کے خلاف توہین آمیز دقیانوسی تصورات کو مضبوط کرنے والا قرار دیا جبکہ اس کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہ گیم لوگوں کو جذباتی فراڈ سے خبردار کرتی ہے۔

تنقید اس قدر شدید تھی کہ اگلے ہی دن گیم کے تخلیق کاروں نے چپ چاپ اس کا نام بدل کر 'ایموشنل اینٹی فراڈ سٹیمولیٹر' یعنی فراڈ کے خلاف جذباتی محرک رکھ دیا۔

مگر یہ تبدیلی بھی نقصان کی تلافی نہ کرسکی۔ گیم کے مرکزی ہدایتکار اور ہانگ کانگ کے فلم ساز مارک ہو کو اب کئی چینی سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر بین کر دیا گیا ہے۔

گیم بنانے والوں کا اصرار ہے کہ ان کا مقصد خواتین کو نشانہ بنانا نہیں تھا، بلکہ وہ 'جدید رشتوں میں جذباتی حدود اور ابہام پر کھلی گفتگو کو فروغ دینا چاہتے تھے۔'

شوبی کن ایک فنکار ہیں، انھوں نے یہ گیم کھیلی ہے اور اسے توہین آمیز پایا۔ وہ گیم تیار کرنے والوں کی مندرجہ بالا دلیل کو رد کرتی ہیں۔ وہ اس گیم کو 'ایک عام کاروباری ماڈل' کہتی ہیں جو ایسا مواد تخلیق کر کے منافع کماتا ہے جو مباحثے اور تفرقے کو جنم دے۔' ایسی تنقید کرنے والوں کا کہنا ہے کہ 'گولڈ ڈگر' جیسا لفظ خود صنفی تعصب کا عکاس ہے۔ مزشو کہتی ہیں کہ 'یہ لیبل اکثر عورتوں پر ہی لگایا جاتا ہے۔۔۔ جنسی امتیاز پر مبنی مذاق اور توہین آمیز الفاظ ہماری روزمرہ زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔' انھوں نے کہا کہ 'اگر آپ کا بوائے فرینڈ امیر ہے، تو آپ کو گولڈ ڈگر کہا جاتا ہے۔ اگر آپ خود کو اچھا دکھانے کی کوشش کرتی ہیں، تب بھی آپ کو گولڈ ڈگر کہا جاتا ہے۔۔۔ کبھی تو صرف کسی کے ڈرنکس کی پیشکش قبول کرنے پر بھی آپ کو یہ نام دے دیا جاتا ہے۔' تاہم کچھ کھلاڑیوں کو اس گیم کی تنقید مبالغہ آرائی لگتی ہے۔ بی بی سی سے بات کرنے کے لیے زوانگ مینگشینگ کا فرضی نام استعمال کرنے والے 31 سالہ شخص نے کہا کہ 'یہ گیم یہ نہیں کہہ رہی ہے کہ ساری عورتیں گولڈ ڈگر ہیں۔۔۔ مجھے یہ نہیں لگا کہ یہ کسی ایک صنف کو نشانہ بنا رہی ہے۔' ان کے مطابق 'عورتیں اور مرد دونوں ہی گولڈ ڈگر ہو سکتے ہیں۔' لیکن اس کے باوجود گیم میں جتنی بھی 'گولڈ ڈگرز' کردار ہیں، وہ سب عورتیں ہیں۔ چاہے وہ والی آن لائن انفلوئنسر ہوں یا کوئی حوصلہ مند کاروباری خاتون، سب کو یہ دکھایا گیا ہے کہ وہ مردوں سے پیسہ اور تحفے وصول کرنے کے لیے سازشیں کر رہی ہیں۔

گیم میں شامل ایک عورت کہتی ہیں کہ 'اگر تم جاننا چاہتی ہو کہ مرد تم سے محبت کرتا ہے یا نہیں؟ تو یہ دیکھو کہ وہ تم پر کتنا خرچ کرتا ہے۔'

اس گیم نے مقامی میڈیا کو بھی منقسم کر دیا ہے۔ وسطی صوبہ ہوبئی سے شائع ہونے والے ایک اخبار نے لکھا کہ یہ گیم 'پوری ایک صنف کو دھوکے باز کہہ کر بدنام کر رہی ہے۔'

لیکن بیجنگ یوتھ ڈیلی نے اس کی 'تخلیقی صلاحیت' کو سراہا اور نیشنل اینٹی فراڈ سینٹر کا حوالہ دیتے ہوئے جذباتی فراڈ کے مالی اثرات کا ذکر کیا۔ سینٹر کے کے مطابق سنہ 2023 میں تقریباً دو ارب یوآن (279 ملین ڈالر) کا نقصان ہوا۔

تنازعات کے باوجود اس گیم کی فروخت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اب چین کے پی سی پلیٹ فارم پر دس سرفہرست گیمز میں شامل ہے، یہاں تک کہ چین کی تاریخ کی سب سے کامیاب کہلائے جانے والی گیم 'بلیک متھ: ووکونگ' کو بھی یہ پیچھے چھوڑتی نظر آ رہی ہے۔

ایک 28 سالہ شخص نے کہا: 'مجھے سمجھ نہیں آتی لوگوں کو اس پر غصہ کیوں ہے۔ اگر آپ خود گولڈ ڈگر نہیں ہیں، تو اس گیم سے پریشان کیوں ہیں؟' انھوں نے مزید کہا: 'میرے خیال میں گیم بنانے والے بہت دلیر ہیں۔ یہ مسائل (جیسے جذباتی فراڈ) چین میں زیادہ زیرِ بحث نہیں آتے۔' ناقدین کا کہنا ہے کہ اس کھیل کی بنیاد صنفی تعصب پر ہے کیونکہ کھیل میں شامل تمام گولڈ ڈگر خواتین ہیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ گیم ایک حقیقی واقعے سے متاثر ہے۔ ایک چینی مرد، جو انٹرنیٹ پر فیٹ کیٹ کے نام سے جانے جاتے تھے انھوں نے گذشتہ سال بریک اپ کے بعد خودکشی کر لی۔ ان کی موت نے انٹرنیٹ پر ایک شدید بحث چھیڑ دی، جہاں 'گولڈ ڈگر' کی اصطلاح کو کھلے عام استعمال کیا گیا اور کچھ لوگوں نے ان کی سابقہ گرل فرینڈ پر الزام لگایا کہ انھوں نے جذباتی طور پر ان کا استحصال کیا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی جان لے لی۔ پولیس نے ان الزامات کو مسترد کر دیا ہے۔ بی بی سی سے بات کرنے والی کچھ خواتین کو تشویش ہے کہ یہ ویڈیو گیم چین میں ان صنفی رویوں کو مزید پختہ کرتی ہے جن کے مطابق عورت کی جگہ صرف گھر میں ہے، جبکہ مرد کو کمانے والا سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے عورت کے لیے اچھی شادی کرنا، اکثر پیشہ ورانہ کامیابی سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے۔ مردوں کی بالادستی والی چینی کمیونسٹ پارٹی بھی اسی سوچ کی تائید کرتی ہے۔ صدر شی جن پنگ بار بار عورتوں کو 'اچھی بیوی اور ماں' کا کردار اپنانے کی تلقین کر چکے ہیں۔ حکومت ان سرگرم کارکنوں کے خلاف بھی سخت کارروائی کر رہی ہے جو صنفی برابری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اپنا نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر ایک خاتون نے بتایا: 'مجھے لگتا ہے کہ ایسی گیم مردوں اور عورتوں کے درمیان دشمنی کو ہوا دیتی ہے۔' انھوں نے مزید کہا: 'یہ عورتوں کو ایک بار پھر کمتر صنف کے طور پر پیش کرتی ہے۔'

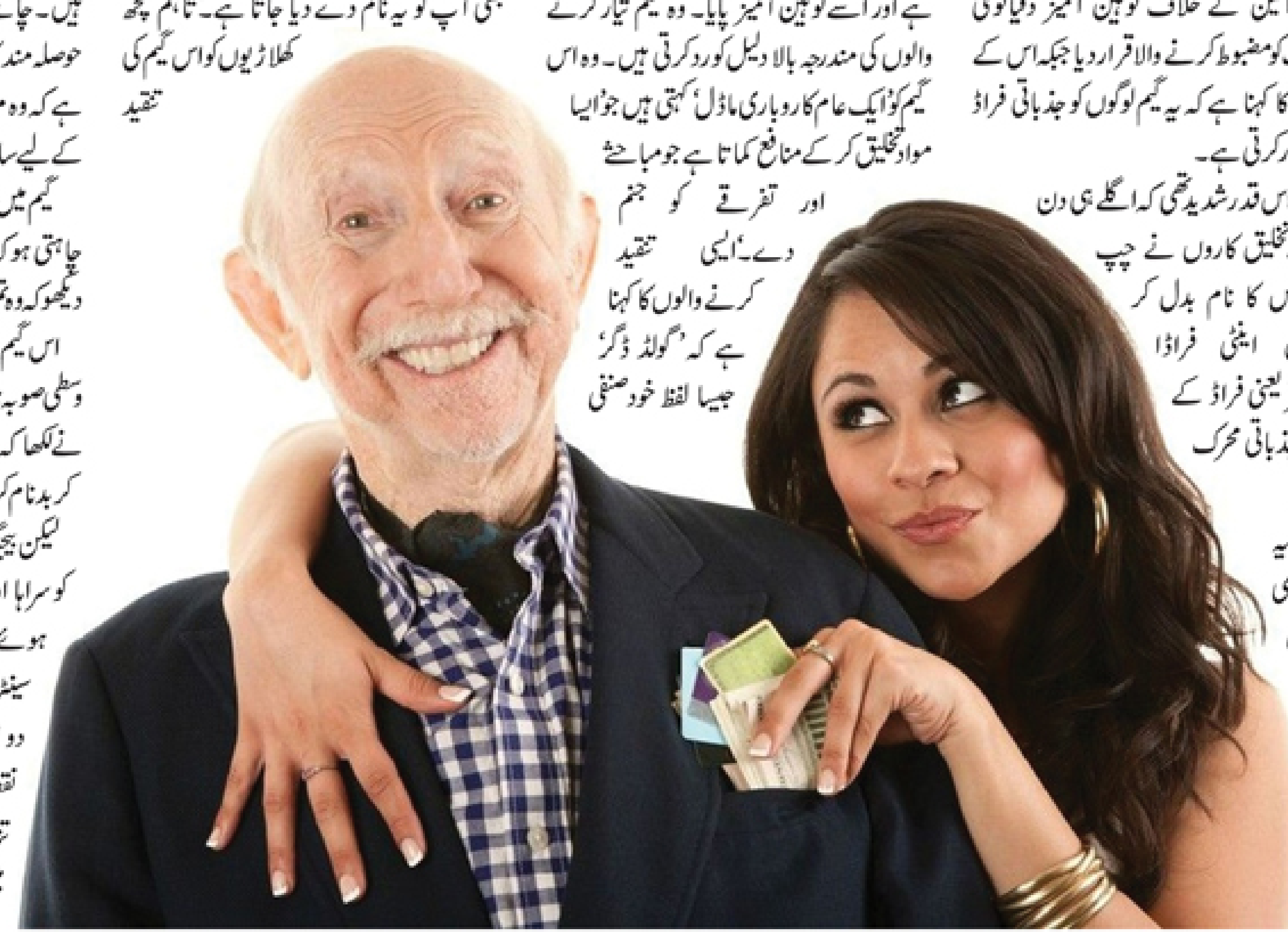

اے آئی کے کارنامے

جعلساز کے امریکی وزیر خارجہ بن کر اہم شخصیات سے رابطے

کنزیومر واچ ڈیسک

امریکی اخبار کے مطابق ایک جعلساز نے امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو بن کر غیر ملکی وزرائے خارجہ، ایک امریکی گورنر اور ایک امریکی رکن کانگریس سے رابطہ کیا ہے۔ واشنگٹن پوسٹ نے امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک کیبل اور ایک سینیئر امریکی اہلکار کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس جعلساز نے ان شخصیات کو ایسے آڈیو اور تحریری پیغامات بھیجے جن میں مارکو روبیو کی آواز اور تحریری انداز کی ہو بہو نقل کی گئی تھی اور یہ سب مصنوعی ذہانت پر مبنی سافٹ ویئرز کے ذریعے کیا گیا۔ مارکو روبیو کے دفتر کی طرف سے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین کو بھیجے گئے ایک کیبل میں کہا گیا کہ حکام کو معلوم نہیں ہے کہ جعلسازی کی ان کوششوں کے پیچھے کون ہے لیکن حکام کا ماننا ہے کہ اس کا مقصد بااثر سرکاری حکام کو دھوکہ دے کر معلومات یا اکاؤنٹس تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ 3 جولائی کو جاری کی گئی اس کیبل میں کہا گیا کہ اس جعلساز نے ٹیکسٹ میسجز اور انکرپٹڈ میسیجنگ ایپ 'سگنل' (جسے ٹرمپ انتظامیہ بڑے پیمانے پر استعمال کرتی ہے) کے ذریعے کم از کم 5 افراد سے رابطہ کیا جن میں 3 غیر ملکی وزرائے خارجہ، ایک امریکی گورنر اور ایک رکنِ کانگریس شامل ہیں۔ یہ سلسلہ جون کے وسط میں اس وقت شروع ہوا جب جعلساز نے Marco.Rubio@state.gov کے نام سے سگنل پر ایک اکاؤنٹ بنایا اور اس نام کے ذریعے غیر ملکی اور ملکی سفارتکاروں و سیاستدانوں سے رابطہ کیا۔ جب اس کیبل کے بارے میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے پوچھا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ وہ اس معاملے کی مکمل تحقیقات کرے گا اور آئندہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے حفاظتی اقدامات کو مزید مضبوط بنائے گا۔ تاہم حکام نے پیغامات کے مندرجات یا ان افراد کے نام ظاہر کرنے سے گریز کیا جنہیں نشانہ بنایا گیا۔ یہ واضح نہیں ہوسکا کہ آیا کسی بھی اہلکار نے اس جعلساز کو کوئی جواب دیا یا نہیں۔ کیبل میں امریکی سفارتکاروں کو ہدایت دی گئی کہ کسی بھی قسم کی جعلسازی کی اطلاع فوری طور پر متعلقہ اداروں کو دیں۔ امریکا میں کسی وفاقی افسر یا ملازم کا روپ دھار کر کوئی فائدہ حاصل کرنا ایک جرم ہے۔ مارکو روبیو کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ ان حالیہ کوششوں میں سے ایک ہے جن میں اعلیٰ امریکی حکام کا روپ دھارا گیا۔ مئی میں وائٹ ہاؤس کی چیف آف اسٹاف سوزی وائلز کا فون ہیک کرکے سینیٹرز، گورنرز، اور کاروباری افراد کو کالز اور پیغامات بھیجے گئے تھے۔

ٹیکس رول میں نئے نام شامل کرلینا مؤثر آمدنی کی ضمانت نہیں، اے ڈی بی

کنزیومر واچ ڈیسک

ایشیائی ترقیاتی بینک (اے ڈی بی) نے خبردار کیا ہے کہ پاکستان میں صرف ٹیکس نیٹ کو وسعت دینا مؤثر نتائج نہیں دے گا، جب تک اس کے ساتھ تعمیل اور نفاذ پر مؤثر حکمت عملی نہ اپنائی جائے۔ رپورٹ کے مطابق ایشیائی ترقیاتی بینک نے خبردار کیا ہے کہ پاکستان میں بغیر کسی حکمتِ عملی کے ٹیکس نیٹ کو وسعت دینا اُس وقت تک پائیدار مالی نتائج نہیں دے سکتا جب تک نفاذ اور مؤثر تعمیل پر سنجیدگی سے توجہ نہ دی جائے۔ ایک پالیسی گائیڈ میں اے ڈی بی نے کہا کہ پاکستان کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ پہلے سے موجود ٹیکس دہندگان سے تعمیل کو یقینی بنائے بغیر ٹیکس نیٹ کو وسعت دینے کی کوششیں نہ صرف کم آمدنی کا باعث بنتی ہیں بلکہ انتظامی اخراجات میں بھی اضافہ کرتی ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ پالیسی سازوں کو چاہیے کہ وہ ٹیکس نیٹ کے پھیلاؤ اور تعمیل میں بہتری کے درمیان سرمایہ کاری پر منافع کا باقاعدہ موازنہ کرنے کے لیے منظم شواہد جمع کریں۔ رہنمائی میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ٹیکس نیٹ کو صرف اُس وقت بڑھایا جائے جب غیر آمدنی بخش فوائد جیسے کہ معیشت کو رسمی بنانا یا بہتر اقتصادی ڈیٹا کا حصول ٹیکس دہندگان کے لیے تعمیل کے اخراجات اور حکومت پر پڑنے والے انتظامی بوجھ سے زیادہ ہوں۔ رپورٹ کے مطابق طویل المدتی مالیاتی پائیداری کے لیے متوازن حکمتِ عملی ناگزیر ہے۔ پاکستان کی مثال دیگر اے ڈی بی رکن ممالک کے لیے بھی سبق آموز ہے جو اپنے غیر رسمی شعبوں کو رسمی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ ٹیکس فائلنگ میں جارحانہ اضافے کی کوششیں لازمی طور پر نہ تو زیادہ آمدنی کا باعث بنتی ہیں اور نہ ہی وسیع تر معاشی فوائد فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح کے نتائج روانڈا، جنوبی افریقہ، یوگنڈا اور دیگر ترقی پذیر معیشتوں میں بھی دیکھے گئے، جہاں ٹیکس بیس بڑھانے کے باوجود آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوسکا۔ پاکستان میں 2007 سے 2019 کے دوران ٹیکس فائلرز کی تعداد تین گنا سے زائد بڑھ گئی، خاص طور پر 2014 کے بعد جب نفاذ کے سخت اقدامات متعارف کروائے گئے، تاہم اس کے باوجود انکم ٹیکس کا مجموعی قومی پیداوار (جی ڈی پی) میں حصہ بدستور 3 سے 4 فیصد کے درمیان جمود کا شکار رہا۔ اے ڈی بی نے کہا کہ یہ عدم مطابقت مہنگے تعمیلی اقدامات کی مؤثریت پر سنجیدہ سوالات کھڑے کرتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق کئی نئے فائلرز نے نہایت کم یا بالکل بھی قابلِ ٹیکس آمدنی ظاہر نہیں کی، جب کہ ود ہولڈنگ ٹیکسز اور لین دین پر عائد پابندیوں نے آمدنی بڑھانے کے بجائے انتظامی پیچیدگیوں میں اضافہ کیا۔ اے ڈی بی نے واضح کیا کہ محض ٹیکس رول میں نئے نام شامل کر لینا مؤثر آمدنی کی ضمانت نہیں دیتا۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ جب تک حکومتی پالیسیوں کا مقصد وسیع تر سماجی فوائد جیسے شفافیت، اقتصادی شمولیت یا مالیاتی دستاویزات کی بہتری نہ ہو، ان حکمتِ عملیوں کا دفاع مشکل ہوتا ہے۔ اگر نہ تو آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہو اور نہ ہی غیر آمدنی فوائد قابلِ پیمائش ہوں، تو موجودہ پالیسی کو مؤثر قرار دینا ممکن نہیں۔ رپورٹ کے مطابق 2014 سے 2021 کے دوران پاکستان نے رسمی معیشت کا حجم تین گنا بڑھا دیا، لیکن 2021 تک ٹیکس آمدنی تقریباً اتنی ہی رہی جتنی 2007 میں تھی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ صرف معیشت کو رسمی بنانا آمدنی میں اضافے کی ضمانت نہیں۔ اے ڈی بی نے نتیجہ اخذ کیا کہ اگر پاکستان نے اپنی ٹیکس پالیسی پر ازسرِ نو غور نہ کیا تو موجودہ حکمتِ عملی ٹیکس دہندگان اور انتظامیہ پر غیر ضروری بوجھ ڈال سکتی ہے، جب کہ مالیاتی استحکام کے اہداف بھی حاصل نہیں کیے جا سکیں گے۔

پاک بھارت کشیدگی کے باوجود تجارتی سرگرمیاں بلند ترین سطح پر پہنچ گئیں، ایس بی پی کی رپورٹ

کنزیومر واچ ڈیسک

پاکستان اور بھارت کے درمیان مختصر فوجی تنازع اور سرحدوں کی مسلسل بندش کے باوجود میں تجارتی سرگرمیاں جاری رہیں، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مالی سال2025 کے مئی تا جولائی کے دوران بھارت سے درآمدات 3 سال کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئیں۔ رپورٹ کے مطابق اسٹیٹ بینک آف پاکستان (ایس بی پی) کے اعداد و شمار میں بتایا گیا ہے کہ مالی سال2025 کے پہلے 11 ماہ میں بھارت سے درآمدات 21 کروڑ50 لاکھ ڈالر تک پہنچ گئیں، جو مالی سال2024 میں 20 کروڑ70 لاکھ ڈالر اور مالی سال2023 میں19 کروڑ ڈالر سے زیادہ ہیں، صرف مئی کے مہینے میں جب پہلے ہفتے میں 4 روزہ تنازع ہوا، درآمدات ڈیڑھ کروڑ ڈالر رہیں جو پچھلے سال کے اسی مہینے میں ایک کروڑ70 لاکھ ڈالر تھیں۔ تاہم بھارت کو پاکستان کی برآمدات نہ ہونے کے برابر رہیں، مئی میں برآمدات صرف ایک ہزار ڈالر ریکارڈ کی گئیں، جب کہ مالی سال2025 کے جولائی تا مئی کے دوران مجموعی برآمدات صرف 5 لاکھ ڈالر رہیں، مالی سال2024 اور 2023 میں برآمدات بالترتیب 34 لاکھ 40 ہزار ڈالر اور 3 لاکھ 30 ہزار ڈالر تھیں، جو دونوں ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات کی یک طرفہ نوعیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ تاجر اس کشیدہ صورتحال کے دوران درآمدات کے تسلسل پر بات کرنے سے گریزاں نظر آئے، ایک تاجر نے اشارہ دیا کہ یہ اشیا تیسرے ملک کے ذریعے آئی ہوں گی اور ان کی ادائیگیاں جنگ سے پہلے کی گئی ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ یہ اشیا کسی تیسرے ملک سے آئی ہوں اور مئی کی درآمدات کی ادائیگی جنگ سے پہلے کی گئی ہو۔

بھارت سے درآمدات 3 سال کی بلند ترین سطح پر

اگر چہ سرکاری اعداد و شمار محدود تجارت کو ظاہر کرتے ہیں، بھارت کے تحقیقی اداروں کا دعویٰ ہے کہ اصل تجارت اس سے کہیں زیادہ ہے، بھارت میں قائم گلوبل ٹریڈ ریسرچ انیشی ایٹو (جی ٹی آر آئی) نے گزشتہ ماہ رپورٹ کیا کہ بھارت کی پاکستان کو غیر رسمی برآمدات کا تخمینہ سالانہ 10 ارب ڈالر ہے جو زیادہ تر دبئی، کولمبو اور سنگاپور کے راستے کی جاتی ہیں۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ غیر رسمی تجارت اس لیے جاری ہے، کیونکہ پاکستان میں پیداواری لاگت بہت زیادہ ہے اور صنعتیں غیر ملکی اجزا پر انحصار کرتی ہیں۔ ایک برآمد کنندہ نے کہا کہ ہمیں بھارت سے اسمگلنگ کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ پاکستان میں پیداواری لاگت خطے میں سب سے زیادہ ہے، جس سے بھارت، چین اور بنگلہ دیش سے اشیا کی درآمد کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان باضابطہ تجارتی تعلقات 2019 سے منجمد ہیں لیکن اعداد و شمار اور زمینی حقائق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی انحصار غیر رسمی ذرائع سے اب بھی برقرار ہے۔

زرعی ترقیاتی بینک کے ملازمین فراڈ میں ملوث

کنزیومر واچ ڈیسک

زرعی ترقیاتی بینک کی جانب سے قرض داروں سے 9 ارب روپے وصول نہ کرنے کا انکشاف ہوا ہے۔ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا اجلاس چیئرمین جنید اکبر کی صدارت میں ہوا، جس میں زرعی ترقیاتی بینک کی جانب سے قرض داروں سے 9 ارب روپے وصول نہ کرنے کا انکشاف ہوا ہے۔ دوران اجلاس ملک بھر کے 1601 قرض داروں کی جانب سے ایک روپیہ بھی قرض واپس نہ کرنے پر کمیٹی اراکین حیران ہوگئے۔ اس موقع پر آڈٹ حکام نے بتایا کہ کوئٹہ، کراچی اور لاہور کے قرض داروں کے لیے 16 فیصد واجب الادا رقم وصول کی گئی ہے، تاہم ملک بھر میں زرعی ترقیاتی بینک کے نادہندگان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ خواجہ شیراز نے استفسار کیا کہ ملک میں اس وقت جو سیکٹر منافع میں ہے وہ بینکنگ ہے، لیکن زرعی ترقیاتی بینک کیوں مسلسل ڈوب رہا ہے۔ چیئرمین کمیٹی نے کہا کہ جو ریکوری ہوئی ہے اس کو آڈٹ سے ڈبل چیک کروائیں اور باقی کی وصولی کا بھی کمیٹی کو بتادیں۔ زرعی ترقیاتی بینک کے ملازمین کا فراڈ میں ملوث ہو کر قومی خزانے کو 1.2 ارب نقصان کا انکشاف ہوا ہے۔ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے اجلاس میں پیش کی گئی آڈٹ رپورٹ میں بینک کے ملازمین کا دستاویزات میں تبدیلی کرنے کا بھی انکشاف ہوا۔ صدر زرعی ترقیاتی بینک نے بتایا کہ ہم نے 400 افراد کو نکالا جو قرض کی دستاویزات میں رد و بدل کرتے پائے گئے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ جب سے میں آیا ہوں تمام برانچز میں ہم نے ذاتی نمبر اور آگاہی بورڈز آویزاں کیے ہیں۔ ہم نے اب تک 27 کروڑ روپے وصول کیے ہیں ار مزید کی کوشش جاری ہے۔ آڈٹ رپورٹ کے مطابق کئی واقعات میں کسان کے لیے جو قرض منظور ہوا، ان کو وہ نہیں ملا بلکہ ملازمین حصہ لے اڑے۔ کمیٹی نے تجویز دی کہ آڈٹ کے ساتھ اس سارے معاملے کو مکمل طور پر درست کریں۔

بیمار صنعتی یونٹس کی بحالی میں تاخیر کی بڑی وجوہات

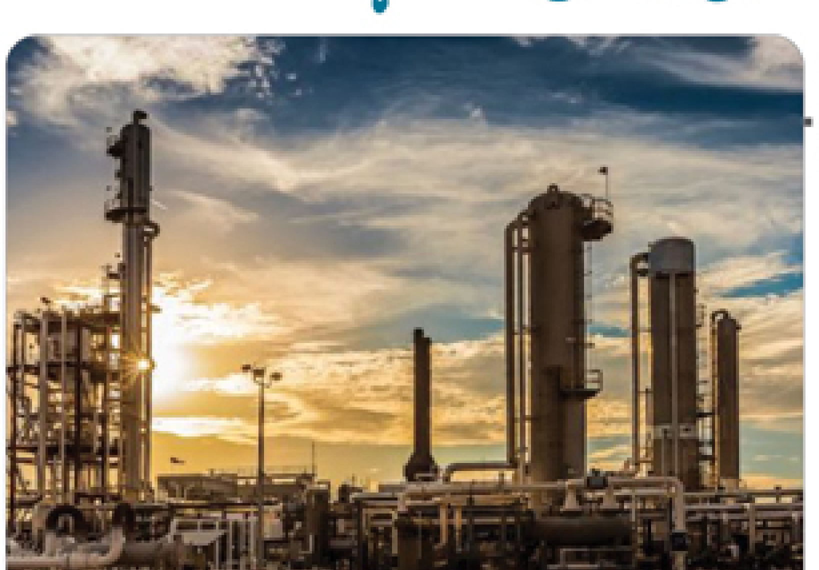

کنزیومر واچ ڈیسک

اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے بیمار صنعتی یونٹس کی بحالی میں تاخیر کی بڑی وجوہات میں عدالتی عمل کی سست روی اور نئے مالی وسائل کی عدم دستیابی کو قرار دیا ہے، جس کے باعث یہ صنعتیں مزید مالی بحران میں ڈوبتی جا رہی ہیں۔ بیمار صنعتی یونٹس کی بحالی کیلیے مرکزی بینک نے وفاقی حکومت کو رپورٹ پیش کی ہے، جس میں قرضوں کی تنظیم نو کو درپیش اہم چیلنجز کی نشاندہی کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق عدالتی عمل نہایت سست اور وقت طلب ہے، جو بیمار صنعتی یونٹس کو مزید دباؤ میں لانے کا سبب بن رہا ہے، بینک عموماً ایسے اداروں کو مزید قرضے دینے سے گریز کرتے ہیں جو مالی دباؤ کا شکار ہوں۔ مزید برآں بینکوں کو قرض معاف کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہ اپنے بیلنس شیٹ کی صفائی میں ہچکچاہٹ کا شکار رہتے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ 2024 میں نان پرفارمنگ لونز کے تناسب میں معمولی بہتری آئی لیکن خراب قرضوں کی مجموعی رقم اب بھی تاریخی سطح پر موجود ہے، 2006 سے 2015 کے دوران پاکستان میں این پی ایل کی مقدار اور تناسب میں مسلسل اضافہ ہوا، 2006 میں یہ رقم 177 ارب روپے تھی، جو 2012 میں بڑھ کر 618 ارب روپے تک پہنچ گئی۔ بعد ازاں یہ قدرے کم ہو کر 2014 اور 2015 میں 605 ارب روپے پر مستحکم ہوئی۔ اس عرصے میں کراچی انٹر بینک آفرڈ ریٹ میں بھی اتار چڑھاو دیکھا گیا، جو 2008 میں 14.2 فیصد کی بلند ترین سطح پر پہنچا اور 2015 میں کم ہو کر 6.8 فیصد پر آ گیا۔ اسٹیٹ بینک کی جانب سے تجویز کردہ گائیڈ لائنز کے تحت ملک میں کام کرنیوالے تمام بینکوں اور ترقیاتی مالیاتی اداروں کو بیمار صنعتی یونٹس کیلیے فنانسنگ کی اجازت دی جائے گی، ان گائیڈ لائنز کے ذریعے بینکوں کو بیمار صنعتی یونٹس کی قرضوں کی تنظیم نو، اصل رقم میں کمی اور نیا شیڈیول دینے کی سہولت دی جائے گی تاکہ وہ دوبارہ سرگرمیاں شروع کرسکیں۔ یہ اقدامات نہ صرف صنعتی صلاحیت کو دوبارہ متحرک کریں گے بلکہ سرکاری بینکوں کو بیلنس شیٹس کی صفائی اور قرض دہی کے نظام کی بہتری میں بھی مدد فراہم کرینگے۔

چیف ایڈیٹر: شیخ راشد عالم

ایڈیٹر: نشید آفاقی

صارفین سے سرکار تک

کنزیومر واچ

CONSUMER WATCH PAKISTAN

Government of Pakistan office of the Press Registrar Islamabad Registration No.2793

H41، پی سی ایچ ایس، بلاک 2، کراچی فون نمبر: 021-34528802-3